وضع اصطلاحات از مولوی وحید الدین سلیم مرحوم تقطیع بڑی ضخامت ۲۱۰ صفحات،

کاغذ، کتابت وطباعت بہتر قیمت ۱۲/ پتہ انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی

ہر زبان کی ترقی کے لئے اس مین نئے نئے الفاظ اور اصطلاحون کا اضافہ ضروری ہے، ہندوستان مین جدید علوم وفنون کی اشاعت کے بعد اردو مین ایسے سیکڑون الفاظ اور اصطلاحین رائج ہوگئی ہین جن کا اس سے پہلے کوئی وجود نہین تھا، مگر اس قسم کے الفاظ اور اصطلاحون کو وضع کرنے کے لئے بڑے حسن مذاق اور سلیقہ کی ضرورت ہے، مولوی وحید الدین سلیم مرحوم مین اصطلاح سازی کا خاص سلیقہ تھا، چنانچہ انھون نے بہت سے نئے الفاظ بنا کر اردو میں رائج کر دیئے تھے، اور دار الترجمہ حیدرآباد کے تراجم کے سلسلہ مین اصطلاح سازی کے موضوع پر ایک مستقل کتاب وضع اصطلاحات کے نام لکھی تھی، جس مین اصطلاح سازی کے مسئلہ پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے، اور اس کے اصول بتلائے گئے ہین، اردو چونکہ عربی، فارسی اور ہندی سے مرکب ہے، اس لئے ان تمام زبانون کی خوبیان اس مین موجود ہین، اور دوسری زبانون کے مقابلہ مین اس مین اصطلاحات سازی بہت آسان ہے، اور اس کے ایک ایک لفظ سے سابقون لاحقون اور نیم سابقون اور نیم لاحقون کے ذریعہ بہت سے الفاظ اور اصطلاحات بنائی جا سکتی ہین، چنانچہ اس کتاب میں اس قسم کے الفاظ و اصطلاحات کا بڑا ذخیرہ جمع کر دیا گیا ہے، جو کسی لغت کی کتاب مین بھی نہین مل سکتا، اور اصطلاح سازی کے اصولون کو انگریزی اصطلاحون کے ترجمے مین برت کر بھی دکھایا گیا ہے، اس کتاب کا پہلا اڈیشن عرصہ ہوا شائع ہوا تھا، مگر اب نایاب تھا، اس لئے انجمن ترقی اردو پاکستان نے اس کا دوسرا اڈیشن شائع کیا ہے، یہ کتاب اپنے موضوع کے لحاظ سے بڑی مفید ہے، مگر افسوس ہے کہ ہندوستان کے لئے بے کار ہے، پاکستان کے لئے البتہ مفید اور کار آمد ہے۔

"م"

جلد ۷۴ ماہ صفر المظفر سنہ ۱۳۷۴ھ مطابق ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۵۴ء عدد ۴

مضامین

شذرات

۲ اکتوبر کو پورے ہندوستان میں بڑی دھوم دھام سے گاندھی جینتی منائی جاتی ہے، تمام کانگریسی نیتا، وزراء و عمال حکومت اور سرکاری و نیم سرکاری اداروں کے بڑے گاندھی جی کی شخصیت، اُن کے کارناموں اُن کے فلسفہ اور اُن کی تعلیم پر پرزور تقریریں کرتے ہیں، اخبارات میں مضامین نکلتے ہیں، اور ساری دنیا کو گاندھی جی کا فلسفہ اور انکی تعلیم قبول کرنے کی دعوت دیجاتی ہے، مگر خود ان مقررین نے گاندھی جی کی تعلیم کو جس قدر جلد فراموش کر دیا ہے اسکی مثال مشکل سے مل سکتی ہے، گاندھی جی کا سب سے بڑا فلسفہ اہنسا ہے، ان کی ساری زندگی، اس کی تعلیم و تبلیغ، کمزوروں و مظلوموں کی حمایت، اچھوتوں اور پسماندہ طبقوں کی اصلاح و ہمدردی، ہندو مسلم اتحاد، مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ اور ان سے برادرانہ سلوک، کی تلقین میں گذری، اور اس راہ میں جان تک دیدی،

مگر غور کیجئے کہ آج ان میں سے کس چیز پر عمل ہو رہا ہے، اہنسا کے معنی یہ ہیں کہ برائی کا بدلہ برائی سے نہ لیا جائے، ظلم کے جواب میں بھی نیکی کی جائے، دشمنوں کے ساتھ بھی مدارات برتی جائے، اور موذی جانوروں تک کو ایذا نہ دیجائے، اور اس کے لئے ہر تکلیف گوارا کیجائے، اس کے مقابلہ میں ہمارا عمل کیا ہے، دشمنوں اور حیوانوں کا ذکر نہیں، انسانوں اپنوں کے ساتھ ہمارا کیا سلوک ہے، اچھوتوں کے ساتھ کیا برتاؤ ہے، چند زبانی اور نمایشی چیزوں کو چھوڑ کر عملاً ان کو کس چیز میں مساوات کا درجہ دیا گیا ہے، چھوت چھات اور ذات پات کا بھوت آج بھی اسی طرح مسلط ہے، مسلمانوں کے ساتھ کیا رویہ ہے، ان کے ملکی حقوق اور اُن کی تہذیب و کلچر کے ساتھ کیا طرز عمل ہے، عیسائیوں اور جین سنگھیوں کا ذکر نہیں خود مخلص کانگریسیوں کو چھوڑ کر جن کی تعداد انگلیوں پر گنی جاسکتی ہے کانگریس کی پوری جماعت اور اسکی حکومتین

کہان تک گاندھی جی کے اصولوں پر قائم ہیں، انکی پامالی سب سے زیادہ انہی کے ہاتھوں ہو رہی ہے، جس کا شکوہ گاندھی جی کے تمام سچے پیرووں کو ہے، اس کی شہادت اُن کے مضامین سے ملتی رہتی ہے،

ایک طرف تو گاندھی جی کے فلسفہ کو اعلیٰ ترین تصور اخلاق کی حیثیت سے ساری دنیا کے سامنے پیش کیا جاتا ہے، اور اسکو عالمگیر انسانی اخوت و محبت کا سب سے بڑا سبق اور قوموں کے درمیان اخلاص و اعتماد اور بین الاقوامی امن و امان کا سب سے بڑا ذریعہ سمجھا جاتا ہے، دوسری طرف قدم قدم پر اپنے عمل سے اس کی تردید کی جاتی ہے، گاندھی جی جس چیز کی تعلیم بھی دیتے تھے، اپنے عمل سے اس کا نمونہ پیش کرتے تھے، اس لئے ان کی باتوں میں بھی اثر تھا، اور ان کے بعض سچے پیرو آج بھی اس اصول پر قائم ہیں، لیکن خود کانگریس اور اس کی حکومتوں نے اُن کو بالکل بھلا دیا ہے، اگر گاندھی جی کی تعلیمات کو دنیا میں پھیلانا ہے تو پہلے خود اس کا عملی نمونہ بننا چاہئے، دنیا اس کے فوائد دیکھکر خود اسکی جانب کھنچیگی ورنہ محض زبانی دعووں سے کچھ حاصل نہیں، دنیا میں آج بھی بڑے بڑے فلسفۂ اخلاق موجود ہیں انہی کی طرح گاندھی جی کا فلسفہ بھی محض ایک نظری فلسفۂ اخلاق بن کر رہ جائے گا،

مسلمانوں کے نکاح، طلاق، خلع اور وراثت وغیرہ کا تعلق محض معاشرت سے نہیں ہے، بلکہ ان کی حیثیت مذہبی بھی ہے اس لئے اُن کے قوانین میں کوئی ترمیم نہیں ہو سکتی اور وہ اتنے مکمل ہیں کہ ان میں کسی ترمیم کی ضرورت بھی نہیں اور آج دوسری قومیں تک کسی نہ کسی شکل میں اُن کے ماننے پر مجبور ہو رہی ہیں، لیکن ان معاملات میں ہندوؤں کے قوانین ناقص ہیں، اور اُن کی اصلاح کے لئے ان میں تبدیلی ضروری ہے، جس کی مثال ہندو کوڈ بل ہے، مگر اس سلسلہ میں "اسپشل میرج ایکٹ" کے نام سے حال میں جو بل پاس ہوا ہے، اس میں مسلمانوں کو بھی شامل کر لیا گیا ہے، اس کی بعض دفعات مسلمانوں کے پرسنل لا کے خلاف ہیں، اسلئے مسلمانوں کو اس میں شامل کرنا صحیح نہیں ہے، مسلمانوں کے پرسنل لا میں انگریزوں نے بھی کبھی مداخلت نہیں کی تھی، اس لئے ہم کو توقع ہے کہ اس قانون سے مسلمانوں کو مستثنیٰ رکھا جائے گا۔

ابھی حال میں ریاست دہلی کی اسمبلی میں ہندی کے حامیوں نے ہندی کو صوبہ دہلی کی زبان بنانے کے لئے ایک بل پیش کیا تھا جو کثرت رائے سے مسترد ہو گیا، اس بل کی مخالفت میں ریاست دہلی کے وزیر ترقیات گوپی ناتھ امن نے

جیسی منصفانہ، معقول اور مدلل تقریر کی ہے وہ دوسرے صوبوں کے وزرا کے لئے بڑی سبق آموز ہے انھون نے ہندی کی
محبت اور اسکی اہمیت کے اقرار کے ساتھ جس صفائی اور جرأت کے ساتھ اردو کے حق کا اعتراف و اعلان کیا ہے اسکی
ہمت ہمارے صوبے کے مسلمان وزرا تک نہین کر سکتے، ان غریبون کا کام تو صرف یہ رہ گیا ہے کہ

مجھے تو خوب ہے کہ جو کچھ کہو بجا کہیئے

اگر گوپی ناتھ امن کی جیسی منصفانہ نظر اور حق گوئی دوسرے وزراء مین بھی پیدا ہو جائے تو اردو ہندی
کا قضیہ ہی ختم ہو جائے، اب ہندی ملک کی قومی زبان بن چکی ہے جس کو مسلمان بھی مانتے ہین، اس لئے اس کی مخالفت
یا اس کے ساتھ اردو کے مقابلہ کا کوئی سوال ہی نہین ہے، اردو کے حامی صرف اس قدر چاہتے ہین کہ اس کو ختم نہ کیا
جائے اور دوسری زبانوں کی طرح اسکو بھی اس کا واجبی حق اور ترقی کا موقع دیا جائے، اگر اسکا یہ حق عملاً مان لیا جائے تو پھر کوئی جھگڑا نہین رہ جاتا

گذشتہ چند مہینون مین فرقہ پرستون کی شورش اور فتنہ انگیزی اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ مسلمانون کی جان
و مال کے اتلاف کے ساتھ صوبہ کا امن و امان بھی خطرہ مین پڑ گیا تھا، اس لئے صوبہ کانگریس کمیٹی اور حکومت دونون
کو اس کے اسباب کی تحقیقات کی جانب توجہ کرنا پڑی، مگر مسلمانون کی کھلی ہوئی مظلومیت کے باوجود ان کو بالکل بے داغ
چھوڑنا بھی گوارا نہ تھا، اس لئے فسادات اور مسلمانون کی بے اطمینانی کے صحیح اسباب کی تشخیص کے ساتھ اس کا
ایک سبب امریکہ اور پاکستان کے فوجی معاہدہ کو بھی قرار دیا گیا ہے یعنی پاکستان کی فوجی تقویت سے مسلمانون مین بھی
فساد کا حوصلہ پیدا ہو گیا، کس قدر یہ توجیہ بھی مضحکہ انگیز ہے، اولاً ابھی پاکستان ہی کون سا طاقتور ہو گیا ہے، پھر اس کی قوت سے ہندوستان
کے مسلمانون کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے، تاہم اگر فسادات کی ابتدا اور زیادتی مسلمانون کی جانب سے ہوئی ہوتی تو بھی
اس کی بعید ترین ہی سہی گنجائش نکل سکتی تھی، مگر مسلمانون کی مسلمہ مظلومیت کے باوجود ان کو کسی درجہ مین بھی فساد
کا سبب قرار دینا کس قدر عقل سے بعید ہے، البتہ یہ توجیہ صحیح ہو سکتی ہے، کہ اس معاہدہ کا غصہ ہندوستان
کے بے بس مسلمانون پر اتارا گیا، تاہم اس گلے سے قطع نظر مسلمانون کے حال زار کی جانب کانگریس
کمیٹی کی اتنی توجہ بھی غنیمت ہے، بشرطیکہ اس کے علاج کی عملی تدبیر اختیار کی جائے،

مقالات

اقبال کی ریاست

از جناب مولوی عبدالسلام صاحب رامپوری

(یہ مقالہ رضا ڈگری کالج رامپور مین جنوری ۱۹۵۲ عیسوی مین پڑھا گیا)

غلام ہندوستان کی سیاسی جدوجہد مین اقبال بھی شریک رہے، ہندوستان کی جنگ آزادی مین ان کا
رویہ اعتدال پسندانہ اور مصالحانہ تھا، ان کی پوری سیاسی زندگی مسلم اقلیت کی حمایت اور اس کے قانونی تحفظ کی
تدبیرین سوچنے اور ان کو بروئے کار لانے مین گذری، اس طرح ان کی سیاسی بصیرت محض علمی نظریون تک
محدود نہین رہی، اس مین ان کے تجربے بھی شامل تھے، اور حکیمانہ فکر بھی، تاہم وہ نہ عملی مدبر تھے، اور نہ سیاست کار،
وہ فطرۃً مفکر اور فلسفی تھے، سیاسی میدان مین انھون نے جو کچھ بھی کیا یا کہا وہ وقتی مصلحتون کا تقاضا تھا، یا حالات
کا جبر، اس کی قدر و قیمت بھی وقتی اور عارضی تھی، اس لئے ہندوستانی سیاست، ہندوستانی ریاست، ہندوستانی
حکومت اور ہندوستانی سیاسی ادارے ان کی حکیمانہ فکر کے مستقل مرکز نہین بن سکے، اسلامی ریاست ان کا
نصب العین تھی، موجودہ ریاستون، ان کے نصب العینون، ان کے اقتدار و اختیار اور حکمرانی کے طریقون پر
انھون نے کافی نقد کیا ہے، کبھی کبھی وقتی حالات بھی اس نقد کے محرک ہوئے، لیکن ان کے نقد کا بیشتر
حصہ مستقل قدر و قیمت کا حامل ہے، وہ اشتراکی قومی لادینی اور کلیسائی نظریون کی کم مائگی اور ناہمنگی دکھا کر
اسلامی ریاست کے تصور کو حق بجانب ثابت کرنا چاہتے تھے، ان کی ریاست دینی بھی ہے، اور دنیاوی بھی، آئینی

معاہدے کی بھی جھلک ہے، اور خداداد اقتدار کی بھی، قانونِ فطرت کا بھی لحاظ ہے، اور وضعی قوانین کا بھی، اس میں جمود اور ارتقاء دونوں کو الگ الگ مقام حاصل ہے، اخلاقی قدروں کی بھی اس میں گنجائش ہے اور اعلیٰ نصب العینوں کی بھی، یہ قومی ریاست بھی ہے اور آفاقی بھی،

اقبال کے سیاسی تصور کا تاریخی تسلسل

تاریخ میں غالباً سب سے پہلے عیسائیت نے زندگی کی ناقابلِ تقسیم وحدت کو دین اور دنیا میں تقسیم کرکے کلیسا اور ریاست دو مستقل اور متحارب ذی اقتدار اداروں کی بنیاد ڈالی، کلیسا کی وحدت نے عالمگیر ریاست کے تخیل کی حوصلہ افزائی کی، لیکن رفتہ رفتہ قومی ریاست کا تصور ذہنوں پر چھانے لگا، پہلے پہلے قومی ریاستوں میں خداداد اقتدار کا تصور غالب رہا، لیکن قانونِ فطرت اور معاہدۂ قومی کی نظریوں سے آہستہ آہستہ یہ تصور بالکل مغلوب ہوگیا، ہابس نے معاہدۂ قومی کی توجیہ سے ریاست کو غیر محدود اقتدار کا حامل ثابت کیا، لاک نے اس توجیہ پر نہایت کڑی نکتہ چینی کی، اور ثابت کیا کہ ریاست کا اقتدار ایک طرح کی امانت ہے، جو رعیت کی طرف سے اس لئے سپرد کیا جاتا ہے کہ وہ اس کے فائدہ کے لئے اور اس کی مرضی کے مطابق استعمال ہو، اسپینوزا نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ ریاست کی ذمہ داری اس حد پر ختم نہیں ہوتی کہ وہ شہریوں کی جان و مال کا تحفظ کرے، بلکہ اس کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ انسانیت کے تمام اعلیٰ مقاصد کو حاصل کرنے میں شہریوں کی امداد کرے، روسو نے اپنے رضاکارانہ معاہدۂ عمرانی کی توجیہ سے اگرچہ انفرادی آزادی کی قدر گھٹا دی، اور ریاست کو عضوی کل بناکر اس میں ارادۂ عامہ کو ثابت کیا، اور شہریوں پر عام اعضاء کی مثال پر ریاست کا اقتدار کلی تسلیم کیا، لیکن ساتھ ساتھ اخلاقی قدروں کی اہمیت پر خاص زور دیا،

کانٹ نے روسو کے خیالات کی فلسفیانہ توجیہ کی، اور اخلاقی اقدار پر غیر معمولی زور دیا، اور ثابت کیا کہ معاہدۂ عمرانی کے وجود میں آنے کا سبب اور ریاست کی تشکیل کی وجہ انسانی آزادی اور خود مختاری کی تکمیل ہے، ریاست کے بغیر افراد اپنے اخلاقی فرائض ادا نہیں کرسکتے، جو اُن کا ناقابلِ تنسیخ حق ہے، فشٹے نے اپنی ابتدائی تصانیف میں افراد کی آزادی اور حقوق پر زور دیا، لیکن آخر میں ان حقوق پر اتنی قیدیں بڑھا دیں کہ

یہ آزادی برائے نام رہ گئی، فشٹے کا سب سے اہم کارنامہ یہ ہے کہ اُس نے ریاست کو قومیت اور قومی تہذیب کا مرکز ثابت کیا، اور بتایا کہ زندگی کے اہم مسائل کو سمجھنے اور انسانی جد وجہد و قومی محرک پیدا کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم انسانیت کے مفہوم کو نسل، قوم، اور قومی ریاست کے آئینے میں دیکھیں،

ہیگل نے ریاست کو حقیقی معنی میں عضوی وحدت بنادیا، اُس نے اپنے فلسفۂ تاریخ کی بنیاد پر ثابت کیا کہ اصل تصورات ہیں، انسانی ذہن اپنے مادی ماحول کو کسی نہ کسی خاص تصور کو خارجیت دینے کیلئے ترقی دیتا رہتا ہے، اسی ضمن میں خود انسانی ذہن بھی ترقی کرتا ہے، اور وہ تصور بھی جس کو ذہن مادی ماحول میں مجسّم کرنا چاہتا ہے، یہ ارتقائی عمل اصلاً داخلی ہوتا ہے، اور ان تخلیقی قوتوں کے ذریعہ ہوتا ہے، جو انسانی فطرت میں مضمر ہیں، بجز اس ابتدائی حالت کے جب کہ انسانی معاشرہ اجتماعی وحدت تک نہ پہنچ سکا تھا ان تخلیقی قوتوں کا خارجی میدان عمل ریاست ہوتی ہے، صحیح آزادی یہ ہے کہ ذہنی، اخلاقی اور روحانی قوتیں ترقی پاکر کمال حاصل کریں، اس ترقی کے طریقے جو ذہنی ترقی کے ساتھ ساتھ ظاہر ہوتے جاتے ہیں خود بھی داخلی ہوتے ہیں، اور انسانی فطرت بھی انھیں متعین کرتی ہے، فرد کی آزادی کے معنی یہ ہیں کہ وہ جماعت میں محو ہوجائے، اس کے ذاتی حوصلوں کی تکمیل کی یہی صورت ہے کہ اس کا ارادہ معاشرے کے ارادے میں اور اس کا اخلاقی معیار معاشرہ کے اخلاقی معیار میں جذب ہوجائے، ریاست افراد کی خاندانی، اور شہری زندگی کی تکمیل کرتی ہے، اور خارجی قوت کی حیثیت میں ان کی امداد بھی کرتی ہے، اور اصلاح بھی، اُن کی ترقی کے ذرائع فراہم کرتی ہے، اور اُن کے نظام کو مستحکم بھی کرتی ہے، وہی اُن کے لئے نصب العین متعین کرتی ہے، اور مقاصد عامہ کو معیار بناکر ان کا اتحاد قائم رکھتی ہے، ریاست اپنے تصور اور نصب العین پر منحصر اور اسی کا مجسمہ ہوتی ہے، اگر تصور اور اس مجسّمے میں ربط نہ رہے، تو پھر وہ کھوکھلا ڈھانچہ ہے، عنصری وحدت کی صورت میں ریاست کی ترقی انہی قوتوں کے ذریعے ممکن ہے، جو اس میں موجود رہتی ہیں، یہ قوتیں اسی وقت تک ریاست کو نشو ونما دیتی ہیں جس وقت تک معاشرہ متحرک اور زندہ ہو، اس میں ارتقائی

تصورات ترتیب پاتے رہیں، اور اُن کو مجسّم کرنے کی خواہش پیدا ہوتی رہے،

اقبال نے انسان کی تخلیقی صلاحیتوں کو خصوصی اہمیت دی، اور تغیر پذیر تصورات اور ارتقائی نقطۂ نظر کے ساتھ اسلام کے اصولی و اساسی اور مستقل تصورات کا اضافہ کیا، اور کائنات کی مستقل روحانی بنیادوں کا ماخذ بنا کر اُن سے اسلامی معاشرے کی تشکیل کی، اور ریاست کو اُن کا مجسمہ قرار دیا، فرد کی آزاد اور با اختیار شخصیت کی انفرادیت کو باقی رکھتے ہوئے اس کو معاشرے سے ہم آہنگ بنانے کی کوشش کی، تصورات کے بجائے انسانی ذات کی خلّاقی پر زور دیا، اور پوری کائنات کی باطنی خلّاق قوت کا اس کو شریک قرار دیا، اور بامقصد اور باشعور ارتقاء کے نظریے کو فلسفۂ سیاست میں پیوست کیا،

اقبال کی ریاست کے بنیادی عناصر

اقبال نے اسلامی ریاست کا جو تصور پیش کیا ہے، اس میں اُن کے مابعد الطبیعاتی افکار کو بنیادی حیثیت حاصل ہے، اسلامی منصوصات اور عہدِ نبوّت اور خلافتِ راشدہ کے عملی نمونوں سے بھی انھوں نے فائدہ اٹھایا ہے، مغرب کے فلسفیوں کی موشگافیاں بھی اس میں شامل ہیں، اور مشرقی بزرگوں کے اجتہادات بھی، ہیگل اور فشٹے کی تصوریت بھی اس میں موجود ہے، اور مارکس کی مادیت بھی، اگر ایک طرف خلافتِ راشدہ کی سادگی ہے، تو دوسری طرف عہدِ جدید کی پرکاری بھی، مغرب کی سیاسی آویزشیں اور اقتصادی الجھنیں بھی اُن کے سامنے ہیں، اور کلیسا اور ریاست کی قدیم کشمکش بھی، اور ان سب پر قابو پانے کی کوشش اُن کے سیاسی افکار کی خصوصیت ہے، مسلم حکومتوں کے تاریخی تجربوں اور عہدِ حاضر کے ترقی یافتہ نقاطِ نظر دونوں پر اُن کی نظر ہے، مجموعی حیثیت میں اُن کے سیاسی افکار مغربی نظریوں سے گہرا ربط رکھتے ہیں، اور اسی سلسلۂ فکر کا مستقل تاریخی حلقہ ہیں،

افراد یا شخصیتوں کا باشعور اور بامقصد اتحاد، اُن کی تخلیقی صلاحیتوں کا ہم آہنگ ارتقاء اور انسانی ملکہ کا ذاتی اعلیٰ مقاصد اور بلند نصب العینوں کے لئے آزاد اور متوافق جد و جہد اقبال کی ریاست کے مقاصد ہیں، اقبال کی ریاست اُن کی خودی اور بیخودی کا سنگم اور انفرادیت اور اجتماعیت کا بہا جلا

نمونہ، اور ایک طرح کی عضوی تالیف ہے، جو اپنے اعضاء کی نگران ہے، اور اعضا کے نشو و نما سے خود بھی قوت حاصل کرتی ہے،

معاشرے کا نشو و نما

انسانی افراد کی اصل اور ان کا منبع اگرچہ ایک ہے لیکن وہ خود مستقل اور آزاد وحدتیں ہیں، نہ اُن کی صلاحیتوں کی حد بندی ہے، اور نہ آزادی و اختیار کی،

ممکناتِ قوّتِ مردانِ کار — گردد از مشکل پسندی آشکار

اگر گردوں بکامِ او نہ گردد — بکامِ خود بگرداند زمیں را

نمود و ظہور ہر صلاحیت کا فطری تقاضا ہے کہ "ہر مستور کو بخشا گیا ہے ذوقِ عریانی"

لذّت گیرد وجود ہر شے — سرمست مئے نمود ہر شے

افراد کی صلاحیتوں کا بہت بڑا حصہ وہ ہے جو اجتماع کے بغیر ظہور پذیر نہیں ہو سکتا، یہ صلاحیتیں نہ کسی بندھے ٹکے مقصد کی نمایندگی کرتی ہیں، اور نہ باہر سے مسلّط کئے ہوئے کسی منصوبے کی، ان کی غایت اور ان کا مقصد محض اندرونی اور داخلی ہے جن کے باعث افراد ارتقائی منزلیں طے کرتے رہتے ہیں،

ز جبر او حدیثے در میاں نیست — کہ جان بے فطرتِ آزاد جاں نیست

چہ می پرسی چگونست و چگوں نیست — کہ تقدیر از نہادِ او بروں نیست

ما ز تخلیق مقاصد زندہ ایم — از شعاعِ آرزو تابندہ ایم

یہ ایک بات کہ آدم ہے صاحبِ مقصود — ہزار گونہ فروغ و ہزار گونہ فراغ

اس طرح ایک خاص سمت میں افراد کے ارتقاء سے خود بخود نظم اور ہم آہنگی پیدا ہو جاتی ہے، کثرت وحدت ہونے لگتی ہے، اور انتشار اتحاد ہو جاتا ہے،

ما کہ از قیدِ وطن بیگانہ ایم — چوں نگہ نورِ دو چشمیم و یکیم

اور شخص جو غیر محدود آزادی اور اختیار کا مرکز تھا، اس کے اختیارات اور آزادی میں قدرۃً

کمی آجاتی ہے،

ناز تا ناز است کم خیزد نیاز
ناز ہا سازد بہم خیزد نیاز

افراد کی آزادی مین یہ پابندی اور اُن کے اختیارات مین یہ محدودیت اُن کے آزاد تعاون اور بے قید ہم مقصدی کی پیدا کی ہوئی ہوتی ہے،

کثرت ہم مدعا وحدت شود
پختہ چون وحدت شود ملت شود

اس لئے افراد مین نفرت اور عداوت کا جذبہ پیدا ہونے کے بجائے آپس مین محبت اور تعلق بڑھتا ہے،

جبر قطع اختیارش می کند
از محبت مایہ دارش می کند

آزادی اور پابندی دونون انسانی فطرت کے تقاضے ہین، یا یون کہو کہ فرد کی آزادی دوسرون کی آزادی کے ساتھ پابندی ہو جاتی ہے،

فطرتش آزاد و ہم زنجیری است
جزو او را قوت کل گیری است

مگر چونکہ اس مین کسی کا جبر شامل نہین، بلکہ تعاون اور ہم مقصدی اصل محرک ہے، اسلئے یہ گویا خود فرد کی خودشکنی اور کثرت پذیری ہے،

در جماعت خودشکن گردد خودی
تا ز گلبرگے چمن گردد خودی

کثرت پذیری کے بغیر فرد کی طاقت محدود اور روبزوال رہتی ہے، اجتماع کے بغیر مقصد جو فرد کی زندگی کا جوہر ہے، حقیقت نہین بن سکتا مقاصد کا شعور اور حصول دونون جماعت کے وجود پر موقوف ہین،

فرد تنہا از مقاصد غافل است
قوتش آشفتگی را مائل است

شخصیت (جو اعمال اور افعال کی بندش اور خفتہ صلاحیتون کے مرکز کا نام ہے) کی کامل فعالی اور اس کا پورا پورا انفرادی ظہور، دوسری شخصیتون سے تعلق پر موقوف ہے، اسی لئے جماعت فرد کی خاطر سے وجود مین آتی ہے، اور اُس کے لئے باعث رحمت ہوتی ہے،

فرد را ربط جماعت رحمت است
جوہر او را کمال از ملت است

اقبال کے نزدیک افراد اور شخصیتون کی یہ قدرتی ہم آہنگی اور ہم مقصدی اُن کا جوہری ارتباط و اتحاد سماج اور معاشرے کی تشکیل کی بنیاد ہے،

چیست ملت اے کہ گوئی لا الٰہ
با ہزاران چشم بودن یک نگاہ

افراد اور معاشرہ

اقبال کے نزدیک فرد اور معاشرے دونون کی اپنی اپنی جگہ اہمیت اور قدر و قیمت ہے، افراد معاشرہ کی نمایندگی کرتے ہین، تو معاشرہ افراد کی، اگر افراد کی پوری اہمیت اور شخصی عظمت معاشرہ سے نمایان ہوتی ہو، تو معاشرہ بھی افراد کی ہم آہنگی کی کوششون سے وجود مین آتا ہے اور تالیفی صورت اختیار کرتا ہے،

فرد و قوم آئینۂ یک دیگر اند
سلک و گوہر کہکشان و اختر اند

فرد می گیرد ز ملت احترام
ملت از افراد می یابد نظام

افراد معاشرے کے بے اثر عناصر نہین ہوتے، سماج کی بلندی اور پستی، اتحاد اور انتشار مین افراد کی فعالی اور اثراندازی کو خاص طور پر دخل ہوتا ہے،

افراد کے ہاتھون مین ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ

اس کے ساتھ سماج بھی محض انفعالی اور بے اثر ادارہ نہین ہے، جو افراد کی فعالی کا محض مظہر ہو، بلکہ اس کی ایک حیثیت فعالی کی بھی ہے، جس کے سامنے افراد کی ہستی بھی مجاز معلوم ہونے لگتی ہے،

وجود افراد کا مجازی ہے ہستی قوم ہے حقیقی
فدا ہو ملت پہ یعنی آتش زن طلسم مجاز ہو جا

سماج افراد کی قدرتی ضرورتوں کو پورا کرتی ہے ۔ اُن کے شخصی تقاضوں کی تکمیل کرتی ہے ۔ سماج کے بغیر افراد کی شخصیت و نمو دونوں ممکن نہین ،

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہین
موج ہے دریا مین اور بیرون دریا کچھ نہین

معاشرے کا مقصد افراد کی شخصیتوں کو کچلنا اور اون کی انفرادی صلاحیتوں کو خفتہ رکھنا نہین بلکہ افراد کی آزاد ترقیون کے لئے کھلی فضا بہم پہنچانا ہے جس مین ان کا ذوق نمو اور خواہش اظہار پرورش پاسکے ، اس کا میدان عمل وسیع اور قوت و اقتدار مین افزائش ہو ، اس طرح اوس کی شخصیت مکمل ہو جائے ،

فرد تا اندر جماعت گم شود	قطرۂ وسعت طلب قلزم شود
ہر کہ آب از زمزم ملت نخورد	شعلہائے نغمہ در عودش فسرد

افراد کی سرجوشیان اور سرمستیان جب اُن کے عمل مین ظاہر ہونے لگتی ہین ، تو اُن کے اعمال مفید ہونے کے بجائے مضر ہونے لگتے ہین ، اور یہ بے راہ روی خود افراد کی شخصیت کے لئے تباہ کن ہو جاتی ہے ، معاشرہ افراد کی اس قسم کی بے راہ روی کا محاسبہ کر کے اُن کی قوت عمل کو صحیح سمت کی طرف مائل کر دیتا ہے ،

در دلش ذوقِ نمو از ملت است
احتساب کار او از ملت است

چنانچہ افراد کی ذاتی صلاحیتین معاشرے ہی مین پختہ ہو سکتی ہین ، شخصیت کی پختگی کا معیار اُس کی قوت جذب ہے ، خودی جتنی پختہ ہو گی ، اتنی ہی جذب کی قوت اس مین بڑھی ہوئی ہو گی ، یہانتک کہ انفرادیت پورے سماج کو اپنے آپ مین سمالیگی ، اور کثرت فرد کی وحدت مین گم ہو جائے گی ، "

فرد معنوی طور پر خود جیتا پھرتا سماج ہو جائے گا ،

پختہ تر از گرمی صحبت شود
تا بمعنی فرد ہم ملت شود

کوئی سماج اس وقت تک مستحکم نہین ہو سکتا جب تک افراد مشترک مقاصد کے لئے اپنی ذاتی خواہشون کو مغلوب نہ کر لین ، اور اپنی پوری توجہ ان مقاصد کو پورا کرنے مین صرف نہ کر دین جو نصب العینی اور اصولی ہین ،

حضورِ ملت از خود در گذشتن	دگر بانگِ انا الملۃ کشیدن

اقبال کے نزدیک لذت حیات انا کی انفرادی حیثیت اور اس کے اثبات استحکام اور توسیع سے وابستہ ہے ، اصل شے معاشرہ نہین ہے " افراد ہین " افراد کے لئے معاشرہ ہوتا ہے ، معاشرے کے لئے افراد نہین ہوتے ،

در جماعت فرو را بینیم ما
از چمن او را چو گل چینیم ما

معاشرہ ان مین ضبط و نظم اور آئین پسندی پیدا کر کے ترقی کے امکانات پیدا کرنے کا وسیلہ ہوتا ہے اور بس ،

قوم با ضبط آشنا گرداندش	نرم رو مثل صبا گرداندش
پا بہ گل مانند شمشادش کند	دست و پا بندد کہ آزادش کند
چون اسیر حلقۂ آئین شود	آہوئے رم خوئے او مشکین شود

معاشرے اور ریاست اس مین شبہہ نہین کہ ریاست سماج کا ادارہ ہے ، سماج کی سب سے زیادہ اور سب سے بڑی طاقتین ریاست مین ہی موجود ہوتی ہین ، اور وہی ان سے کام لیتی ہے ، لیکن سماج مین اسکا وجود

کیسے ہوا، سماج یا افراد کے کسی تاریخی یا تخلیقی اجتماعی معاہدے نے ریاست پیدا کی، یا افراد کی قوت اور جبر نے سماج پر ریاست کو مسلط کیا، بزرگ خاندان کے خاندانی وقار نے ریاست کی بنیاد رکھی، یا انسان کی فطری اجتماعی جبلت نے دوسری فطری جبلتوں سے مل کر انسانی معاشرے کو جنم دیا، اور معاشرے نے گوناگون خارجی اور داخلی عوامل کے زیر اثر ریاست کی شکل اختیار کر لی، اقبال نے اس کے بارے میں صراحۃً کچھ نہیں کہا ہے، جیسا کہ میں تمہید میں بیان کر چکا ہوں، اقبال کے سامنے اسلامی ریاست تھی، عام ریاست اور اس کی نشو و نما سے انھوں نے بحث نہیں کی، اُن کا مطمح نظر نقطۂ آغاز ہے کہ اسلامی ریاست کی نوعیت کیا ہے؟ اس کا نصب العین کیا ہے؟ اس کا اقتدار محدود ہے، یا غیر محدود، اور کیا اس کی کوئی معقول مابعد الطبیعاتی بنیاد ہے یا نہیں؟ عام ریاست کے بارے میں انھوں نے کہیں کچھ کہا ہے تو اس کے پس منظر میں بھی اسلامی ریاست کا تخیل مضمر ہے، تاہم اُن کے مابعد الطبیعاتی سلسلۂ فکر کو دیکھتے ہوئے یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ وہ معاشرے کی ترقی یافتہ شکل کو ہی ریاست سمجھتے ہیں، جو ارادے اور مقصد کے تحت معاشرے میں سے ابھرتی ہے، اور رفتہ رفتہ اختیار و اقتدار حاصل کر لیتی ہے۔

اسلامی ریاست کا تاریخی پس منظر اسلامی معاشرے اور اس میں ریاست کے نشو و نما اور اس کے اقتدار کے بارے میں اقبال کا زاویۂ نظر بیان کرنے سے پہلے اسلام کی ابتدائی تاریخ کے ضروری اقتباس پیش کر دینا مناسب ہے، اس سے اقبال کے تصورات کو سمجھنے میں سہولت ہوگی، اور اسلامی ریاست کا جو تصور اقبال نے پیش کیا ہے اس کی تاریخی قدر کا بھی اندازہ ہو جائے گا۔

مکہ اور دعوت اسلام مکہ ایک طرح کی خود مختار چند سری شہری ریاست تھی، ریاست کے مختلف ادارے قریش کے مختلف خاندانوں کے شیوخ میں بٹے ہوئے تھے، اندرونی نظم و نسق میں قبائلی رسوم و رواج قانون و ضابطے تھے، بیرونی تعلقات کا مدار بین القبائلی رواجوں پر تھا، اہم معاملات قریش کے خاندانوں کے شیوخ کے مشورے سے طے ہوتے تھے، کبھی کبھی دوسرے اہل الرائے لوگوں کو بھی مشورے میں شریک کر لیا جاتا تھا، یہ بھی تو شہری ریاست لیکن نہایت ابتدائی شکل میں شہری نظام قبائلی نظام سے کچھ ہی آگے بڑھا ہوا تھا، حقوق و فرائض اور اختیار و اقتدار کے حدود کی کوئی معین شکل نہ تھی، خاندانی رقابتیں، قبائلی عصبیتیں، ظلم و ستم سب کچھ موجود تھے، نظم و عدل کی گرفت ڈھیلی تھی۔

اس معاشرے میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک نئی خود مختار تنظیم کی داغ بیل ڈالی، اس نئی تنظیم کی بنیاد ایک اکیلے خدا کے اقتدار مطلق پر رکھی گئی، اسی کے اوامر و نواہی واجب التعمیل ٹھہرائے گئے، غیر مشروط اطاعت کا مستحق اسی کو قرار دیا گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے فرستادہ اور رسول تسلیم کئے گئے، اس تنظیم میں دینی امور اور دنیوی معاملات کا کوئی امتیاز نہیں رکھا گیا، نسل، وطن، رنگ، شریف، و وضیع، ملکی و غیر ملکی، کی تمیز کی کوئی گنجایش نہیں چھوڑی گئی، اعمال حسنہ کو برتری اور فضیلت کا معیار قرار دیا گیا،

رؤسائے مکہ نے بہت دنوں تک تو اس نئی قسم کی تنظیم پر حیرت و استعجاب کے سوا کوئی توجہ نہیں کی، مگر جب رفتہ رفتہ یہ تنظیم اُن کو سماج کے لئے خطرناک ثابت ہونے لگی، اور انھیں یقین ہو گیا، کہ ان نئے اصول کا عملی پہلو اُن کے پرانے سماج کی جڑ کھوکھلی کرتا چلا جا رہا ہے تو انھوں نے اس کی منظم مخالفت شروع کر دی، آخر میں یہ مخالفت اتنی شدت اختیار کر گئی، کہ اس تحریک کے مکے میں پھلنے پھولنے کے تمام امکانات ختم ہو گئے، اور نبی علیہ الصلوٰۃ کو مجبوراً اپنے ساتھیوں سمیت مکہ چھوڑنا پڑا، مدینہ میں اس تنظیم کے حامی پہلے سے موجود تھے، اور برابر بڑھ رہے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبلغین اور مدینے کے ان نومسلموں کی مشترکہ کوششوں سے مدینے میں ایک نیا سماج ابھرنا شروع ہو گیا تھا جس کی قیادت مکے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں تھی، چنانچہ آپ نے وہیں ہجرت کرنی طے کی، اور مدینے کے وفد سے یہ طے پایا کہ اہل مدینہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کی میزبانی کریں گے، اور اپنے اعزہ و اقارب جیسی اُن کی حفاظت اور مدافعت کریں گے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وعدہ فرمایا کہ وہ اُن کی جنگ کو اپنی جنگ اور اُن کی صلح کو اپنی صلح قرار دیں گے، چنانچہ ہجرت سے پہلے ہی حقیقی

معاہدے کے تحت مدینے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک گونہ سیادت تسلیم کرلی گئی جس کے بعد اپنے ساتھیوں کے ساتھ مدینہ تشریف لے آئے،

ریاست کی تشکیل

مدینہ میں ہجرت سے پہلے کوئی مرکزی نظام حکومت نہ تھا، عربوں اور یہودیوں کی قریب قریب برابر کی آبادی تھی جن میں باہم حلیفی کے معاہدے تھے، عرب اوس وخزرج نامی قبیلوں کے بارہ خانوادوں میں تقسیم تھے، یہودی قبائل بنو نضیر اور بنو قریظہ کے دس خانوادوں میں بٹے ہوئے تھے، پوری آبادی مدت دراز سے جنگ وجدال میں مبتلا تھی، ہر خانوادے کا اپنی حدود میں راج تھا، عربوں کے ہر خانوادے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مستقل مبلغ اور معلم پہلے ہی سے پہنچے ہوئے تھے جو مرکزیت پیدا کرنے کی کوشش کررہے تھے، مقامی امن پسندوں کی بھی اچھی خاصی تعداد مدینے کی نزاع کو ختم کرنا چاہتی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کی ساتھیوں کے ساتھ پہنچ گئے، اور مستقل اقامت اختیار کرلی،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آنے کے بعد چند مہینوں کے اندر ہی اندر ایک سیاسی معاہدہ یا مدینے کی شہری حکومت کا ایک دستور سب کی رضامندی سے مرتب کیا، اور اس کے تحت مدینے کے نواح کو شہری ریاست میں بدل دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس شہری ریاست کے بلا اختلاف امیر تسلیم کیے گئے، ریاست کے دستور میں اپنے اور مقامی باشندوں کے حقوق وفرائض کا تعین کیا گیا، مہاجرین کی مواخات کا انتظام کیا گیا، شہر کے غیر مسلم عربوں اور یہودیوں سے مفاہمت کی دفعیں رکھی گئیں، شہری سیاسی نظم اور فوجی مدافعت کے متعلق ضروری امور طے کیے گئے، عدل وانصاف کو عام مرکزی ادارہ بنایا گیا، اس ریاست کے اقتدار کا اصل سرچشمہ خدا کو قرار دیا گیا، اور اپنے آپ کو اس کا رسول اور نائب تسلیم کرایا گیا، اس تاریخی اجتماعی معاہدے کے تحت اسلام کا یہ نیا معاشرہ جس کی بنیاد اصولوں اور عقیدوں پر تھی اسلامی ریاست میں تبدیل ہوگیا، اور آخر میں یہی مدینہ کی چھوٹی سی ریاست بڑھتے بڑھتے دنیا کی وسیع

سلطنت بن گئی،

اسلامی معاشرہ

بعثت نبوی سے پہلے دنیا مختلف قسم کے سماجوں میں بٹی ہوئی تھی، ان سماجوں میں اگر کوئی قدر مشترک تھی، تو وہ ظلم، بربریت، اور تنگ نظری تھی، اونچ نیچ، مذہبی عصبیتیں، قومی رقابتیں کسی نہ کسی حیثیت میں ہر جگہ موجود تھیں چین ہو یا ہند، ایرانی مقبوضات ہوں یا روما سب میں ابتری پھیلی ہوئی تھی، خونریزیوں اور خانہ جنگیوں کا دور دورہ تھا، مفید و مضر رسوم ورواج قوموں پر مسلط تھے، سطحی مظاہر پرستی نے قوموں کے شعور کو ناکارہ کردیا تھا، محدود قومی مذاہب اپنی افراطوں اور تفریطوں کے ساتھ لوگوں کے دل ودماغ پر چھائے ہوئے تھے، غرض یہ کہ پوری دنیا میں کوئی ایسا سماج نہ تھا جو حقیقۃً آفاقی نقطۂ نظر پیش کرکے عام امن وسکون کی ضمانت کرسکے، اس لئے دنیا ایسے معاشرے کے لئے چشم براہ تھی جس کی بنیاد معتدل اور عالمگیر اصول اور جس کی نظر انسانیت کے عمومی مفاد پر ہو، اور شخصی یا قومی دست برد کے اندیشے سے پاک ہو، عالمگیر انسانی برادری کا تصور، اولاد آدم کی مساوات کا نصب العین انسانی تخیل کی دسترس سے ابھی تک اونچا تھا، اس پرآشوب عہد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی ابتداء ہوئی، اور اسلام نے اقبال کے بقول انسان کو پہلی بار یہ پیغام دیا کہ

"مذہب نہ قومی ہے، نہ نسلی، نہ انفرادی اور نہ ذاتی، بلکہ انسانی ہے،"

یہی مقصود فطرت ہے یہی رمز مسلمانی
اخوت کی جہانگیری محبت کی فراوانی

اور اس کا مقصد "انسانیت کے فطری امتیازوں کی مناسب رعایت کے ساتھ انسانیت کو متحد اور منظم کرنا ہے"،

یہ دعوت نہایت سادہ فطری حقیقتوں پر مشتمل تھی لیکن یہ فطری حقیقتیں پرانے سماج کے لئے ایک طرح کی دعوت مقابلہ تھیں جس سے پرانے سماج کی جڑیں کھوکھلی ہوتی چلی جارہی تھیں، اس کے بطن میں ایسی

زندہ حقیقتیں پنہاں تھیں، جن سے اچھوتے اور صالح معاشرے کی بنیاد بن سکتی تھی، اسلام کا مطمح نظر افراد کی محض اخلاقی اصلاح نہ تھی، بلکہ جیسا کہ اقبال نے کہا ہے،

"یہ انسان کی معاشرتی زندگی میں تدریجی لیکن بنیادی انقلاب لانا چاہتا ہے جس کی بنا پر وہ اپنے نسلی اور قومی زاویۂ نظر میں کلّی تبدیلی پیدا کرلے، اور اُن کے بجائے خالص انسانی شعور کی تخلیق کرے"۔

تفریقِ ملل حکمتِ افرنگ کا مقصود

اسلام کا مقصود فقط ملتِ آدم

اس میں وطنیت اور قومیت نسل و رنگ کے غیر قدرتی اور غیر انسانی امتیازوں کی گنجایش باقی نہیں رکھی گئی، اور سب برابر کی دلچسپی اور برابر کی وابستگی تھی،

چین و عرب ہمارا ہندوستاں ہمارا

مسلم ہیں ہم، وطن ہے سارا جہاں ہمارا

اس میں شبہ نہیں کہ "اس پوری دعوت کی بنیاد الہام و وحی پر تھی جس کو حیاتیاتی نقطۂ نظر کے شخصی تجربات ہی کہا جا سکتا ہے، لیکن تاریخ نے ثابت کر دیا ہے کہ یہ شخصی تجربے قدر و قیمت کے اعتبار سے شخصی نہ تھے، اُن کی معاشرتی اہمیت تھی"، چنانچہ جوں جوں دعوت پھیلتی گئی ایک بالکل اچھوتا سماج اور نئی قومیت وجود میں آتی گئی،

تا نبوت حکمِ حق جاری کند — پشت پا بر حکمِ سلطانی زند

محکمش برتر ز عقلِ ذوفنون — از ضمیرش اُمتے آید برون

یہ دعوت کائنات کی حیاتیاتی قوتوں کی ترجمانی تھی، اس کے حرکی ارتقا اور دائمی اصول دونوں کی نمایندہ تھی، انسان کے انفرادی اور اجتماعی دونوں رُخوں کی نصب العینی اصلاح

اس کا تصور تھا،

ہست دینِ مصطفیٰ دینِ حیات

شرعِ او تفسیرِ آئینِ حیات

اس دعوت سے جس طرح کی قومیت ابھر رہی تھی، اس کا اصل اصول اقبال کے لفظوں میں "نہ اشتراکِ زبان تھا، اور نہ اشتراکِ وطن، نہ اقتصادی اغراض کا اشتراک"، "بلکہ ہم لوگ اس برادری میں اس لئے شریک ہیں، کہ مظاہر کائنات کے متعلق ہم سب کے معتقدات کا سر چشمہ ایک ہے"۔

با وطن وابستہ تقدیرِ امم — بر نسب بنیادِ تعمیرِ امم

ملتِ ما را اساسِ دیگر است — این اساس اندر دلِ ما مضمر است

حاضریم و دل بغائب بستہ ایم — پس ز بندِ این و آن وارستہ ایم

یہ نیا سماج اسلام کے مذہبی تصور سے جدا نہ تھا، بلکہ خود مذہبی تصور کی عملی شکل تھی، مذہب اس کی روح تھا تو سماج قالب،

ملتِ بیضا تن و جاں لا الٰہ

سازِ ما را پردہ گرداں لا الٰہ

یہ سماج فلسفے کا نیا مکتبِ خیال نہ تھا جس کے ارکان کی عقلی موشگافیاں اور فکری نکتہ رسیاں غیر شعوری طور پر کچھ خاص میلانات رکھتی ہوں جنھیں عمل سے کوئی واسطہ نہ ہو، بلکہ اسلامی تصورات اور معتقدات عملی زندگی کے واحد طریقۂ کار کے طور پر جب تک سماج کے دل و دماغ عقل و جذبات پر حاوی نہ ہوں اور اس کے طرزِ عمل اور طریقۂ فکر کو متعین نہ کریں، اس وقت تک نہ سماج اسلامی ہو سکتا ہے اور نہ افراد،

روشن اس ضو سے اگر ظلمتِ کردار نہ ہو — خود مسلماں سے ہے پوشیدہ مسلماں کا مقام

آہ اس راز سے واقف ہے نہ ملّا نہ فقیہ
وحدت افکار کی بے وحدتِ کردار ہے خام

افراد کے افکار اور کردار کی یہ وحدت جب تک غیر محسوس رہتی ہے، افراد صرف افراد ہوتے ہیں، ان میں معاشرتی اہمیت نہیں آتی، زندگی میں انھیں فعال اور اثر انداز حیثیت حاصل نہیں ہوتی لیکن جو نہی یہ معاشرتی زندگی میں محسوس شکل اختیار کر لیتی ہے، اور ممتاز اور متعین صورت کے ساتھ انسانی زندگی میں فعال حقیقت بن جاتی ہے، تو سماج وجود میں آجاتا ہے، اور مستقل اہمیت رکھنے لگتا ہے،

قوتِ دین از مقامِ وحدت است
وحدت از مشہود گردد ملّت است

چنانچہ اسلام کا یہ نیا سماج جو افکار و کردار دونوں کے اعتبار سے اسلامی تصورات اور معتقدات کا نمایندہ تھا، اور جس میں ابتدا ہی سے خود اختیاری اور استقلال کا رنگ نمایاں تھا، اپنی ہر جہتی تنظیم کی بدولت خود بخود سیاسی تنظیم بن گیا، جو معاشرے کی وحدت خیال اور وحدتِ کار کا قدرتی ثمرہ تھا،

فرد از توحید لاہوتی شود
ملّت از توحید جبروتی شود

اسلامی معاشرے کی یہ سیاسی وحدت ایک عمرانی معاہدے کے تحت آنکھوں دیکھتے مستقل ریاست بن گئی،

اسلامی ریاست اسلامی ریاست اسلامی معاشرے کا معاہداتی محدود الاقتدار دستوری ادارہ ہے، اور یہ ادارہ خود غایت اور نصب العین نہیں بلکہ اخلاقی مقاصد رکھتا ہے، یہ ایک طرح کی عضوی تالیف ہے جس کے اجزاء یا اعضاء کی قدر و قیمت اس اجتماع کے اندر پیدا ہوتی ہے، تاہم اقبال کے نزدیک افراد اس اجتماع کے بے جان پرزے نہیں، بلکہ زندہ عناصر ہیں، اور مستقل انفرادیت و شخصیت اور اپنی اس امتیازی نوعیت کی بنا پر اپنے مستقل حقوق رکھتے ہیں، اور ان پر مستقل فرائض عائد ہوتے ہیں،

اسلامی ریاست میں دین و دنیا کی تفریق نہیں، وہ دنیوی بھی ہے، اور دینی بھی، نقطۂ نظر کا فرق ہے، یہ کلیسا بھی ہے اور ساتھ ساتھ ریاست بھی۔

بیا میز ند چون نورِ دو قندیل
میندیش افتراقِ ملک و دین را

یہ خود تو ایک وحدانی حقیقت ہے نا قابلِ تحلیل و تجزیہ لیکن دیکھنے والوں کے انداز نظر الگ الگ ہو سکتے ہیں، اگر محض فعلی اور عملی حقیقت کو سامنے رکھا جائے اور اس تحریک اور فعالی سے صرف نظر کر لی جائے جو زندگی کی بے تھاہ گہرائیوں میں سے ایک خاص نصب العین کو حقیقت اور واقعیت بنانے کے لئے اُبھر رہی ہے تو یہ ادارہ ریاست ہے، لیکن اگر اس پسِ پردہ تحریک کا لحاظ کیا جائے تو یہی ادارہ کلیسا ہے، خود ادارے کے یہ دو رُخ نہیں ہیں، اُس کی فعلیت اور عملیت اس کی فعالی اور عملیت سے جدا نہیں، حرکت اور تحریک ایک ہی حقیقت ہے، اسلامی سماج اسلام کے ہمہ گیر تصورِ حیات کا مظہر ہے، اس مظہر کا پیکر اسلامی ریاست ہے، اسلامی ریاست کے بغیر اسلام کا ہمہ گیر تصورِ حیات مجسم صورت میں سامنے نہیں آتا،

روح ملت را وجود از انجمن
روحِ ملت ہست محتاجِ بدن

اسلامی ریاست ایسے سماج کا سب سے بڑا مقتدر ادارہ ہے، جو اپنی ساخت میں اصولی ہے، رنگ، نسل اور جغرافیائی حدود کو اُس کی تشکیل میں کوئی دخل نہیں، اس لئے خود ریاست کی بنیاد بھی اصولوں پر ہے، چنانچہ وہ جماعت یا افراد جو اسلامی معاشرے کے بنیادی اصول کو تسلیم نہیں کرتے، اور اس روحانی نصب العین کو روبکار لانے میں اُن کی عقلی اور جذباتی ہمدردیاں شامل نہیں، جس کے لئے ریاست وجود میں آتی ہے، اسلامی ریاست کی براہ راست نمایندگی نہیں کر سکتے، اقبال نے اس بارے میں اگرچہ کسی قطعی رائے کا اظہار نہیں کیا ہے لیکن اُن کا رجحان اسی طرف معلوم ہوتا ہے، کہ امارت خواہ شخصی ہو یا اجتماعی غیر مسلم جزءً یا کلاً اس کے نمایندے نہیں ہو سکتے،

چونکہ اسلامی ریاست حقیقی معنی میں کسی اقتدار کی مالک نہیں وہ بطور خود نہ معاشرے کو قانون

عطا کرتی ہے، اور نہ اپنے اختیار سے اس کا نفاذ کرتی ہے، صرف خدائی قانون کی تشریح و تعبیر اس کی قانون سازی ہے، اور ایک کارکن کی حیثیت سے احکام کی تعمیل اس کی تنفیذ ہے، اس کی ذاتی حیثیت معاشرے کے دوسرے افراد سے بہتر ہے اور نہ برتر،

رسم و راہ و دین و آئینش زحق   زشت و خوب و تلخ و نوشینش زحق

اس لئے خود ریاست و امارت بھی خواہ شخصی ہو یا جماعتی نہ قانون اور ضابطے سے ماوراء ہے، اور نہ نفاذ کے لئے سپر، امیر کے ذاتی فرائض بھی ہیں، اور ذاتی حقوق بھی، وہ دوسرے عوام کی طرح قانونی مطالبہ کر سکتا ہے، اور عوام کی طرح خود اس سے مطالبہ کیا جا سکتا ہے، چارہ جوئی کے ضابطے سب کے لئے یکسان ہیں،

عبد مسلم کمتر از احرار نیست   خونِ شہ رنگین تر از معمار نیست

پیشِ مولا بندہ و مولا یکے ست   بوریا و مسند و دیبا یکے ست

بلکہ جہان تک فرائض کا تعلق ہے، امیر کے فرائض عوام سے کہین زیادہ اور حقوق عملاً کم تر ہیں،

سروری در دینِ ما خدمت گری ست

عدلِ فاروقی و فقر حیدری ست   (باقی)

محمد علی

ذاتی ڈائری کے چند ورق

رئیس الاحرار مولانا محمد علی مرحوم کے سوانح و حالات و وقائع زندگی جو صاحب تفسیر قرآن مولانا عبدالماجد دریابادی مدیر صدق کے ذاتی مشاہدہ و تجربہ میں آئے، اس میں ان کی زندگی کے ہر پہلو پر نہایت بسط و تفصیل کیا تھ روشنی ڈالی گئی ہے، محمد علی مرحوم کیا کچھ تھے اسکی صحیح تصویر اس کتاب مین نظر آسکتی ہے، قیمت ہے (حصہ اول) "منیجر"

کندی کا فلسفہ

از

جناب ڈاکٹر صغیر حسن صاحب معصومی استاذ شعبہ عربی و اسلامیات ڈھاکہ یونیورسٹی

عالم اسلام کا سب سے پہلا، قابلِ ذکر مسلمان اور تنہا عرب فلسفی، ابو یوسف یعقوب بن اسحاق الکندی (المتوفی ۲۵۲ھ) ہے جس کا حال معارف نمبر ۶ جلد ۷۱، جون ۱۹۵۳ء مین زیر عنوان کندی اور اس کا فلسفہ" ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب ایم اے پی ایچ ڈی (لندن) بیرسٹرایٹ لا صدر شعبۂ فلسفہ جامعہ عثمانیہ حیدر آباد کے قلم سے شائع ہو چکا ہے، چونکہ ڈاکٹر صاحب موصوف کا مقالہ ابن القفطی کی متداول تاریخ الحکما، ابن ابی اصیبعہ کی طبقات الاطباء اور لطفی جمعہ کی تاریخ فلاسفۃ الاسلام کی روشنی مین ترتیب پایا ہے، اور نئی تحقیقات پر مشتمل نہین ہے، اس لئے یہ ضروری معلوم ہوا کہ قارئین معارف سے ایک مصری مستشرق محمد عبدالہادی ابوریدہ، استاذ جامعہ مصر، قاہرہ کے شائع کردہ "رسائل الکندی الفلسفیۃ" کا تعارف کرا دیا جائے گو یقین ہے کہ بعض قارئین ضرور اس کتاب سے واقف ہون گے لیکن ڈاکٹر صاحب موصوف سے اس کا مستور رہنا ضرور باعثِ استعجاب ہے، نیز اس خیال سے کہ کندی کے فلسفیانہ افکار کا تذکرہ خود اس کے رسائل کی روشنی مین کم از کم اردو دان اصحاب کے لئے ضرور مفید ثابت ہوگا، اس سے اردو زبان کی خدمت بھی ہو جائے گی،

جیسا کہ راقم سطور اپنے مضمون "ابن باجۃ الاندلسی" (معارف فروری، مارچ ۱۹۵۲ء) مین تحریر کر چکا ہے کہ آج تک جو کچھ بھی اس کے فلسفہ پر انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ڈی بور کی تاریخ فلسفہ در اسلام وغیرہ مین لکھا گیا ہے، اس کا دار و مدار ابن القفطی، ابن ابی اصیبعہ اور ابن صاعد کی کتابون کے

علاوہ مونک کی کتاب الرابطہ بین فلسفۃ الیہود والمسلمین پر ہے، لیکن چند سال ہوئے مشہور جرمن مستشرق ایچ ریٹر (H. Ritter.) نے قسطنطنیہ کی لائبریری مین ایک ایسے مخطوطہ کا پتہ لگایا جس مین تقریباً تیس بتیس رسائل کندی کی طرف منسوب ہین، اس مخطوطہ پر کئی سال سے جامعہ مصر کے ایک استاد محمد عبد الہادی ابوریدہ کام کر رہے تھے، ۱۹۵۰ء مین انھون نے چودہ رسائل کو ایڈٹ کر کے رسائل الکندی الفلسفیہ جزو اول کے نام سے شائع کیا تھا، ان رسائل کے ساتھ ایک مقدمہ کا بھی اضافہ کیا ہے جو الگ بھی شائع ہوا ہے، اس طویل مقدمہ مین کندی کے حالاتِ زندگی، اور اس کے فلسفہ پر عالمانہ اور تفصیلی بحث کی گئی ہے،

ان رسائل کی دریافت سے قبل لوگون کو کندی کے سائنٹسٹ ہونے کا علم زیادہ، اور فلسفی ہونے کا کم تھا، لیکن ان رسائل کی اشاعت کے بعد یہ واضح ہو جاتا ہے کہ کندی کی حیثیت بطور مفکر کے بہت بڑی ہے، بلکہ یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ بعد کے مسلمان فلسفیون مثلاً فارابی اور ابنِ سینا نے بڑی حد تک کندی کا اتباع کیا ہے، اور اسلامی طرزِ تفکر کی داغ بیل سب سے پہلے کندی کے ہاتھون پڑی، مسلمان فلاسفہ کے جس طرزِ تفکر کو یورپین مستشرقین نو افلاطونی تفکر کا نتیجہ کہکر نظر انداز کرنے کی کوشش کرتے ہین، وہ درحقیقت اسلامی بود و باش، اسلامی نشو و نما، اور مذہبی ماحول کا نتیجہ ہے، نو افلاطونی خیالات سے تو مسلمان فلسفیون کو دور کا بھی واسطہ نہ تھا، اس سلسلہ مین، جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے، (معارف، فروری ۱۹۵۴ء ابن باجہ) ابنِ ناعمہ حمصی کے ترجمہ مسمّٰی اُثو لوجیا (Theology of Aristotle) کو پیش کیا جا سکتا ہے، جو کہ درحقیقت فلوطین (Plotinus) جو بانیٔ فلسفۂ نو افلاطونی ہے، اس کی کتاب تاسوعات (Enneades.) کے بعض ابواب کا خلاصہ ہے جس کو سریانی سے عربی مین ترجمہ کیا گیا، اور حسب بیان ابن ندیم (فہرست ص ۳۵۷، طبع یورپ) کندی نے اس ترجمہ کی تصحیح کی، مگر جہان تک کندی کے مطبوعہ رسائل کا تعلق ہے کہین اس کتاب کا ذکر نہین، نہ اس کا تاثر ہی کندی کے افکار مین ظاہر

ہوتا ہے، اس مجموعہ مین کندی کا وہ رسالہ بھی شامل ہے جس مین ارسطا طالیس کی کتابون کا تذکرہ با تفصیل ہے، اس رسالہ سے مستشرقین کا یہ اعتقاد کہ یونانی فلسفہ مین عربون کا اعتماد اول اول ان کتابون پر رہا، جو ارسطو کی طرف غلطی سے منسوب کر دیگئی تھین، بالکل باطل ثابت ہوتا ہے، کیونکہ کندی نے جو فہرست ارسطو کی تصنیفات کی اس رسالہ مین دی ہے، اس مین کوئی کتاب ایسی نہین جو منحول ہو، اور ارسطو کی تصنیف نہ ہو؛

کیا کندی مترجم تھا؟ جہان تک یونانی اور سریانی کتابون کے ترجمہ کا تعلق ہے، یہ ثابت نہین ہوتا کہ کندی نے کس کتاب کا ترجمہ کیا، ابن ابی اصیبعہ کا بیان کہ کندی حذاق مترجمین سے تھا، (طبقات ج ۱ ص ۲۰۷) اور ابن القفطی (تاریخ ص ۳۶۹ و ۰۰،) کا یہ لکھنا کہ بطلیموس کے جغرافیہ کو کندی نے عربی مین ترجمہ کیا، قابلِ نظر ہے، ابن ندیم یا دوسرے متقدمین کے یہان کندی کا شمار مترجمین مین نہین، یہ صحیح ہے کہ کندی نے اپنے رسالہ الحدود مین یونانی الفاظ کی تشریح کی ہے، اور مختلف اصطلاحی محاورون کی تعریف لکھی ہے، لیکن اس سے یہ ثابت نہین ہوتا کہ وہ مترجم تھا، مثلاً فلسفہ کی اشتقاقی تعریف بیان کرتے ہوئے کندی لکھتا ہے،

الفلسفة ..... اما من اشتقاق	فلسفہ کی تعریف اس کے نام کے اشتقاق
اسمها، وھو حب الحکمة	کے لحاظ سے حکمت کی محبت ہے، کیونکہ
لان فیلسوف ھو مرکب من	لفظ "فیلسوف"، دو لفظون "فلا" بمعنی عاشق
"فلا" وھی مُحبّ ومن "سوفا" و	اور "سوفا" بمعنی حکمت سے مرکب ہے،
ھی الحِکْمَة،	(رسائل ص ۱۷۲)

مگر حقیقت یہ ہے کہ یونانی کلمہ کی صحیح عربی شکل "فیلوسوفیا" ہے، جو "فیلوس" بمعنی عاشق و مؤثر اور "سوفیا" بمعنی حکمت، سے مرکب ہے، یہ صحیح تلفظ عرب فلسفیون کے یہان نہین ملتا، خوارزمی (مفاتیح العلوم ص ۹۰) کے یہان بھی صحیح طور پر معرب نہین، اگر کندی یونانی جانتا، تو غلط طور پر لفظ کی تعریب ہرگز نہ کرتا اس لئے ترجمہ سے مطلب بظاہر اس کے سوا کچھ نہین ہو سکتا کہ کندی نے یونانی فلسفہ کے مطالب کی تشریح؛

تفصیل عربی زبان مین کی،

فلاسفۂ اسلام مین کندی بہت بڑا اور بےبدل اور آزاد مفکر ہے، جہان یونانی فلسفہ کا حوالہ دیتا ہے اخذ کے بیان مین غلطی نہین کرتا، اور انہی فلسفیانہ اصولون کو پیش نظر رکھتا ہے، جن کو سارے سچے مذاہب کے اصول سے اتفاق ہے چنانچہ ذاتِ باری تعالیٰ کا جسمیت سے منزہ ہونا حدوث عالم، متناہی جرم عالم، مسئلۂ نبوت، حشر ونشر وغیرہ جیسے عام مسائل کے بیان کرنے مین کندی نے بڑی تفصیل سے کام لیا ہے،

کندی مذہب کا پکا، اسلامی عقائد کا متمسک اور غیور تھا، اپنی عقلی و فلسفیانہ فکر سے اسلام کے بنیادی اصولون کی محافظت اور مخالفین اسلام کے اعتراضات کی مدافعت کرتا تھا، شرعی احکام کا اس قدر پابند تھا کہ جب حسب بیان ابن القفطی (ص ۲۴۲) ایک ایسے مرض مین مبتلا ہوا جس کا علاج شراب کے سوا کچھ نہ تھا، تو بھی اس کو شراب کا استعمال گوارا نہ ہوا، اور دوسرے قسم کے علاجون پر منحصر رہا جس سے فائدہ نہ ہوا، مگر اس نے اس کی پروا نہ کی، اور جان جان آفرین کے سپرد کردی،

عباسی خلفاء، المامون، المعتصم اور المتوکل کے زمانون مین کندی بڑا ہر دلعزیز رہا، اور ان کے دربار مین اس کی بڑی قدر و منزلت رہی، یہ وہ زمانہ تھا جب کہ فکری آزادی حاصل تھی، معتزلہ کا زور تھا، اور یونانی و ہندی علوم عربی زبان مین ترجمے ہو رہے تھے،

کیا کندی معتزلی تھا؟ | مذہبی بحث و مباحثے، غیر اسلامی علوم کے حوالے، ایسی خصوصیات ہین جن کے لئے معتزلہ مشہور تھے، مگر ان علوم سے شغف رکھنے کے باوجود یہ ثابت کرنا سخت مشکل ہے کہ کندی معتزلی تھا، اس مین شبہ نہین کہ اس کے بعض رسائل ایسے بھی ہین جن کے سرنامہ سے اعتزال کا میلان ظاہر ہوتا ہے، مثلاً کتاب التوحید جو خدا کی وحدانیت پر ہے،

کتاب فی ان افعال الباری کلھا عدل لا جور فیھا، یعنی اس موضوع پر کہ اللہ پروردگار کے سارے افعال انصاف کو حامل ہین، اور کسی فعل کا ظلم نہ

عدل و توحید کے یہ نظریے معتزلہ کے بنیادی نظریون مین سے ہین لیکن یہ نظریے معتزلہ کے ساتھ مخصوص نہین، ملاحدہ مجوس اور عیسائیون کے مشترک مسائل حسب ذیل تھے:

"مسئلۂ نبوت، کسب، جزء لایتجزی، نیز یہ نظریہ کہ ابتدار خلقت مین جسم متحرک تھا، یا ساکن، خلق عالم، اشیار کا محدود ہونا وغیرہ وغیرہ"

ان کی تردید مین اس وقت کے متکلمین سرگرم تھے، چونکہ ان نظریون کی تردید کرنا، کندی کا مقصد زندگی تھا، اس لئے وہ بظاہر معتزلہ کا ہمنوا نظر آتا ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ معتزلہ بھی اس کی رد و کد سے نہین بچے، اس کی تفصیل کے لئے ایک ایسے مسئلہ کی توضیح کر دینی ضروری ہے جس کے متعلق لوگ مختلف رائین رکھتے تھے، اس وضاحت کے لئے ہم اس نظریہ کو کہ اشیار محدود ہین، انتخاب کرتے ہین،

متکلمین اسلام اس بات پر متفق ہین کہ اشیا ضروری طور پر محدود ہین، ایک وقت ایسا تھا جب یہ معدوم تھین، مگر ان کے ابدی ہونے کے بارہ مین علمار کی رائین مختلف ہین، کچھ تو اس بات کے قائل ہین کہ ابدی نہین، اور انتہا یعنی ایک حد تک پہنچنے والی ہین، کچھ اس خیال کے حامی ہین کہ مستقبل مین ان کا وجود ابدی ہوگا،

جہم بن صفوان (المتوفی سنہ ۱۲۸ھ / ۷۴۵ء) کا اعتقاد تھا کہ ساری چیزین جن مین بہشت و دوزخ بھی شامل ہین، یقیناً فنا ہو جائین گی، اور صرف ذات باری تعالیٰ تنہا باقی رہ جائے گی، فنا کے بعد اللہ تعالیٰ اسی طرح اکیلا رہے گا، جیسا کہ اس عالم کے خلق سے پہلے تھا، وہ اپنی تائید مین قرآن پاک کی اس آیت کو پیش کرتا ہے:-

هُوَ الاول والآخر والظاهر و الباطن، — اللہ ہی ابتدا ہے اور وہی انتہا، وہی ظاہر ہے، اور وہی باطن،

اسکافی اور نظام کا خیال ہے کہ ساری پیدا کی ہوئی چیزین دنیا و مافیہا، حرکت زمان وغیرہ

بدیہی طور پر ازلی نہیں، ایک وقت تھا جب کہ وہ معدوم تھین، پھر وجود مین آئین، اُن کا وجود خدا کی مرضی اور ارادہ پر موقوف ہے، وہ اگر چاہے تو ہمیشہ ہمیشہ ان کو قائم رکھ سکتا ہے،

ابو الہذیل علاف کا مسلک ہو کہ اشیاء اگر ازلی نہین تو ابدی بھی نہین ہو سکتین، اگر اُن کا وجود پہلے نہین تھا، اور بعد مین وجود مین آئین، تو ظاہر ہے کہ انتہا بھی ہمیشہ کے لئے وجود سے ہم کنار نہین رہ سکتین، ابو الہذیل کی ساری توجہ ایک خدا کے وجود کو ثابت کرنے کی جانب ہو، وہ کسی چیز کو لا انتہا ہونے مین خدا کا شریک ہونا پسند نہین کرتا،

اب اس بارہ مین کندی کی راے کو قسطنطنیہ کے مخطوط سے نقل کرتے ہین،

لیس کل ماله اول فله آخر ،	ہر وہ چیز جس کی ابتدار ہو، ضروری
کل العدد لہٗ اول ولا آخر لہٗ	نہین کہ اس کی انتہا بھی ہو، مثلاً عدد،
وکذٰلک الزمان لہٗ اول ولا	اس کی ابتدا ہے مگر انتہا نہین، اسی
آخر لہ ، فکل (ذی) آخر فذو	طرح زمانہ کہ کسی کا شروع ہے مگر
نہایة ولیس کل ذی نہایة	آخر نہین، غرض ہر وہ چیز جس کی انتہا
فلہ آخر، (ورق ۵ نقل کردہ ابوریدہ	ہے، محدود ہے، لیکن ہر محدود کے لئے
رسائل الکندی ص ۳۰، نٹ نٹ)	ضروری نہین کہ انتہا ہو،

خلاصہ یہ ہے کہ کندی خلق عالم کا قائل ہے مگر ساتھ ہی اس کا نقطۂ اس بات کو روا رکھتا ہے کہ اگر ارادۂ خداوندی ہو تو عالم فنا ہونے کے بجائے ہمیشہ قائم رہ سکتا ہے، اس کے رسائل مین جا بجا یہ خیال دہرایا گیا ہے، کہ دنیا محدود ہے، اس کی مدت اللہ کے ارادہ مین متعین ہے"،

(رسائل : ص ۲۳۱ و ۲۴۷ ،)

اگرچہ امام غزالی نے عالم کی ابدایت کے نظریہ کی تردید سختی سے کی ہے مگر ابو الہذیل کے اس

نظریہ کا بھی رد کرتے ہین کہ عالم کے لئے انتہا لازم ہے، ان کا قول یہ ہے کہ ایک مخلوق چیز کے لئے ضروری نہین ہے کہ اختتام کو پہنچے اور فنا ہو جائے، البتہ ابتدار ہونا لابدی ہے، ابو الہذیل کی اس دلیل کو کہ جیسے زمانہ ماضی کے لئے انتہا ضروری ہے، اسی طرح مستقبل کو آخر تک پہنچنا ہے، امام غزالی نے اس طرح قابل رد ثابت کیا ہے کہ زمانہ مستقبل "وجود" مین کسی طرح شامل نہین، نہ پائے جانے مین نہ وجود کے لازمہ کے طور پر اور نہ معیت کے لحاظ سے، اس کے برعکس ماضی کا پورا حصہ وجود مین بطور لازمہ کے شامل ہے، گو معیت نہین پائی جاتی، اس لئے عالم کی ابدیت کا ناممکن ہونا اُن کے نزدیک ضروری نہین، اس کا فنا ہونا اور ابدالآباد تک قائم رہنا دونون عقلاً ممکن ہین، یہ مذہب ہی فیصلہ کر سکتا ہے کہ کون اصل حقیقت ہے، فنا ہونا یا اس کا ابدی ہونا،

اس مثال سے واضح ہو جاتا ہے کہ کندی مشکل مسائل کا حل خود اپنے طور پر سوچتا ہے، جو عموماً علمائے اسلام کے حل کے مطابق ہوتا ہے، جو کبھی معتزلہ کی رائے کے مطابق بھی ہو جاتا ہے، اور کبھی امام غزالی کے نظریہ کے، حالانکہ ارسطو کے فلسفہ پر اوس کی نظر بڑی وسیع ہے، مگر جیسا کہ دوسرے حکماے اسلام کا مسلک ہے، کندی ان نظری و عقلی اصولون پر جو مذہب اسلام کے بنیادی اصول ہین، بڑی سختی سے عمل کرتا ہو،

اپنے رسالہ "فی الابانة عن العلة الفاعلة القریبة للکون والفساد" (کون و فساد کی علت فاعلہ قریبہ کے بیان مین) مین کندی لکھتا ہے،

والعلة الفاعلة اما تکون	علت فاعلہ یا قریب ہے یا بعید، علت
قریبة واما ان تکون بعیدة ،	فاعلہ بعیدہ کی مثال، جیسے تیر پھینکنے والا
اما العلة الفاعلة البعیدة فکالرامی	ہے، جس نے کسی حیوان پر تیر پھینکا، اور اس
بسہم حیوانا فقتلہ ، فالرامی بالسہم	حیوان کو مار ڈالا، تو تیر پھینکنے والا مقتول
ھو علة قتل المقتول البعیدة،	کی علت بعیدہ ہے، اور تیر علت قریبہ

رہے گی، تو وہ مال کی حفاظت کے لئے کوشاں رہین گے،[۵۱]

بہرحال صاحب ہدایہ اور ابوبکر الحداد کی تصریح کی روشنی مین مجلۃ الاحکام کا مذکورۂ بالا قول، مستاجر کے تعلق کے اعتبار سے کسی قدر محدود ہے،

اب یہ دیکھنا ہے کہ اجیر کے کسی خلافِ قانون فعل سے کسی تیسرے شخص کو مضرت اٹھانی پڑے تو اس کے متعلق فقہار کا کیا مسلک ہی،

اوپر مجلۃ الاحکام کا جو قول گذرا ہے، اس کی عمومیت اس بات کی متقاضی ہے کہ اس کا اطلاق اس صورت مین بدرجۂ اتم ہونا چاہئے جب کہ اجیر مشترک سے کوئی خلافِ قانون فعل سرزد ہو، اور اس کی وجہ سے کسی تیسرے شخص کو مضرت برداشت کرنی پڑے،

دونون نظامہاے قانون کا توافق اس طرح اسلامی فقہار کے مسلک اور انگلستانی قانون کے اصول مین توافق موجود ہے، لیکن مجلۃ الاحکام کے قول کی عمومیت بعض قیود و شرائط کی پابند ہے، اس کے بارے مین بعض تفصیلات ذیل مین پیش کی جاتی ہین،

اسلامی فقہ کا ایک قاعدہ کلیہ یہ ہی کہ

"تضاف الفعل الی الفاعل لا الآمر مالم یکن مجبراً"[۵۲]

اس اصول کے مطابق اگر زید بکر سے کہے کہ وہ خالد کے مال کا اتلاف عمل مین لائے، اور وہ اس کی تعمیل کردے تو اس صورت مین ذمہ داری مامور (بکر) پر عائد ہوگی،

اس قاعدہ کلیہ سے ایک مستثنیٰ صورت یہ معلوم ہوئی کہ اگر مامور مجبور ہو تو اس کی ذمہ داری عائد نہ ہوگی، خود آمر ذمہ دار قرار دیا جائے گا، اسی طرح اگر اجیر مشترک بھی کسی خلافِ قانون کام کے انجام دینے

---

[۵۱] ابوبکر الحداد، الجوہرۃ النیرہ ص ۲۶۸، و ۲۶۹ جلد اول مطبوعہ ۱۳۱۴ھ [۵۲] مجلۃ الاحکام

کے لئے مجبور کردیا جائے تو وہ بھی ذمہ دار قرار نہ پائے گا،

دونون نظامون مین اصول کا اختلاف ادھر جو قاعدہ کلیہ نقل کیا گیا ہے اس کے سلسلہ مین اس امر کی جانب اشارہ مناسب ہے کہ انگلستانی قانون کی رو سے اگر خود مختار اجیر کو کسی خلافِ قانون کام کی انجام دہی کے لئے کہا جائے اور وہ اس کو انجام دے تو ذمہ داری اصل شخص پر عائد ہوگی لیکن اسلامی فقہار کا مسلک اس سے جدا ہے، ان کے نزدیک اگر مامور خواہ وہ اجیر مشترک کیون نہ ہو کسی خلاف قانون فعل کا ارتکاب عمل مین لائے، تو آمر (اصل شخص) ذمہ دار نہ ہوگا بلکہ خود مامور کو ذمہ دار قرار دیا جائے گا، البتہ اگر مامور جبر سے مجبور ہو کر جنایت کا ارتکاب کرے تو اس صورت مین اس پر ذمہ داری باقی نہ رہے گی،

غرض دونون نظام ہاے قانون کی رو سے اجیر مشترک کا بعض صورتون مین ذمہ داری سے بچ جانا علیحدہ علیحدہ اصول کے تحت ہی، ان صورتون پر علیحدہ فصل مین بحث کی جائے گی،

دوسری فصل

مستثنیٰ صورتین

پہلی فصل مین یہ بیان ہو چکا ہے کہ انگلستان کے قانون کی رو سے آقا کسی ایسے شخص کی غفلت یا جنایت کا ذمہ دار نہ ہوگا جو بطور کارندہ خود مختار معاہد لہ کی حیثیت مین کوئی کام انجام دے لیکن اس عام اصول کی چند مستثنیٰ شکلین بھی ہین، ان کو اس فصل مین بیان کیا جاتا ہے:

انگلستانی قانون کی مستثنیٰ صورتین انگلستان کے اربابِ قانون نے اس سلسلہ کی چار حسب ذیل مستثنیٰ صورتین بیان کی ہین،

۱- اگر معاہد لہ ایسے فعل کے انجام دینے کے لئے مامور کیا گیا ہو، جو خود خلاف قانون ہو تو مامور کنندہ اس فعل کے نتائج کا ذمہ دار ہوگا،[۵۱]

---

[۵۱] کلرک اور لنڈسل لا آف ٹارٹس ص ۱۱۰ و ۱۱۶، ۱۹۲۱ء،

اگر کوئی شخص کسی جنایت کے عمل مین لانے کی ہدایت دے یا کسی جنایت کے عمل مین آنے کے بعد اس کی توثیق کرے تو قانوناً اس کی حیثیت خود اس کے مماثل قرار پائے گی، یہ قرار دیا جائیگا، کہ خود اسی سے یہ جنایت صادر ہوئی۔

مثلاً گیس سربراہ کرنے والی ایک کمپنی کو راستہ پر اپنے گیس پائپ ڈالنے کے لئے قانونی اختیارات حاصل نہین تھے، اس کمپنی نے ایک گتہ دار مقرر کیا، تاکہ وہ سڑک مین نالی کھود کر گیس کے پائپ ڈالے، گتہ دار کے ملازمون نے پائپ ڈالنے کے بعد زمین مناسب طریقہ سے برابر نہین کی، جس کی وجہ سے مضرت پہنچی تو گیس کمپنی اس مضرت کی ذمہ دار ہوگی،

۲۔ اگر اصل شخص پر کسی کام کو بالذات انجام دینے کی قانونی ذمہ داری ہو، اور وہ اس کو کسی خود مختار معاہدہ کے سپرد کر دے، اور اس شخص سے غفلت صادر ہو تو اصل شخص ذمہ دار ہوگا، اصل شخص کسی کارندہ کو مامور کرکے اپنی ذمہ داری سے سبکدوش نہین ہو سکتا،

اس صورت مین گویا خود اصل شخص سے غفلت کا صدور ہوا ہے، کیونکہ قانونی ذمہ داری سے کما حقہٗ عہدہ برآ ہونے کے لئے اصل شخص پر لازم تھا کہ موزون کارندہ کا انتخاب عمل مین لاتا، اگر کارندہ اہل نہ ہو یا اس کو مناسب ہدایتین نہ دی جائین جس کی بنا پر کسی کو مضرت پہنچ جائے، تو اصل شخص ذمہ داری سے بچ نہین سکتا،

مثلاً بکر کو قانوناً اس بات کی اجازت تھی کہ وہ ایک عام راستہ پر موری تعمیر کرے اور اس پر قانوناً یہ پابندی بھی تھی کہ موری تعمیر پا جانے کے بعد راستہ اچھی طریقہ سے مسطح کرا دے، بکر نے اس کام کی انجام دہی کے لئے ایک گتہ دار مقرر کیا، اس گتہ دار سے راستہ کو مناسب طریقہ سے مسطح کرنے مین غفلت

لہ سامنڈ لا آف ٹارٹس ص ۲۵، ۱۹۲۰ء سہ ایس بنام شفیلڈ گیاس کمپنی، کلرک اینڈ لنڈسل لا آف ٹارٹس ص ۱۱۶، ۱۹۲۱ء سہ ایضاً ص ۱۱۰ و ۱۱۲ سہ سامنڈ لا آف ٹارٹس ص ۱۳۵، ۱۹۲۰ء،

سرزد ہوئی جس کی وجہ سے کسی کو ضرر برداشت کرنا پڑا، اس مقدمہ مین عدالت نے فیصلہ کیا کہ مدعی علیہ (بکر) ذمہ دار ہے،

اگر وہ کام جس کے مکمل کرنے کے لئے کارندہ مامور کیا جائے، ایسا ہو کہ جس کو تکمیل تک پہنچانے کے لئے خود اصل شخص ذمہ دار ہو، یا یہ فرض ذمہ داری مطلق کی نوعیت کا ہو تو آزاد کارندہ کو مامور کرنے والا شخص ذمہ دار ہوگا، اس قسم کے مقدمات مین یہ جواب دہی نہین ہو سکتی کہ جنایت کا وقوع کسی خود مختار اجیر کی غفلت کی بنا پر واقع ہوا،

مثلاً اگر زید کی زمین سے کوئی تباہ کن آگ ہمسایہ کی زمین پر پھیل جائے تو زید یہ جواب دہی نہین کر سکتا کہ آگ اس کے کارندون کی غفلت سے پھیلی،

۳۔ بعض افعال ایسے ہوتے ہین جن کے متعلق یہ نہین کہا جا سکتا کہ وہ قانون کے مغائر ہین یا یہ کہ ان کے بارے مین ذمہ داری مطلق کا وجوب ہے، اس کے باوجود اگر اس نوعیت کا کوئی کام انجام دینے کے لئے کوئی شخص کسی خود مختار اجیر کو مقرر کرے، تو قانون یہ چاہتا ہے کہ اگر اجیر سے اپنے کام کی تکمیل کے دوران مین غفلت صادر ہو تو اصل شخص نیابتی ذمہ داری کے اصول پر جوابدہ ہوگا،

مثلاً زید نے بکر کو جو بطور گتہ دار مقرر ہوا تھا، یہ کام سپرد کیا کہ سڑک مین نالی کھود کر مکان کی موری کو زمین اس سے ملا دے گتہ دار نے جو نالی کھودی تھی، اس کو غفلت سے درست طور سے نہین پاٹا، نتیجہ یہ ہوا کہ نالی بیٹھ گئی، اور ایک راستہ چلنے والے کو مضرت پہونچی تو اس صورت مین زید ذمہ دار ہے گو اس سے بنفسہٖ کسی غفلت کا ارتکاب نہین ہوا،

یہ صورتین قطعی نہین ہین۔ | سرجان سامنڈ نے واضح کیا ہے کہ خود مختار اجیر کے مامور کرنے والون کی ذمہ داری

لہ کلرک اور لنڈسل، لا آف ٹارٹس ص ۱۱۵، ۱۹۲۱ء سہ ایضاً ص ۱۱۰ و ص ۱۱۱ سہ سامنڈ لا آف ٹارٹس ص ۱۲۶، ۱۹۲۰ء سہ و سہ ایضاً ص ۱۲۷،

مین وسعت پیدا کرنے کی جانب فی زمانہ عدالتون کا جو عام رجحان ہے، اس کی بنا پر مذکورۂ بالا چار مستثنیٰ صورتون پر کسی قطعیت کا یقین نہین ہوسکتا، اور یہ نہین کہا جاسکتا کہ صرف یہی مستثنیٰ صورتین ہین انھون نے یہ صراحت بھی کی ہے کہ خود مختار کارندون کو مقرر کرنے والون پر نیابتی ذمہ داری جو عائد کی جاتی ہے، وہ کسی دور رس اور عام اصول کی بنا پر نہین ہے، بلکہ عام سلامتی (Public Policy.) کے مدنظر چند بے قاعدہ مستثنیٰ صورتین قرار دے لی گئی ہین[۵]،

قانون انگلستان کے مستند مولفون کے بیانات سے اس امر کا انکشاف ہوتا ہے کہ اس مسئلہ مین اہل الرائے کے درمیان ابھی بہت اختلاف ہے، کسی قطعی نتیجہ پر نہ تو عدالتین پہنچ سکین، اور نہ قانون دان اصحاب پہونچ سکے،

مسئلہ کی مزید صراحت

سر جان سامنڈ نے لکھا ہے کہ اس نوعیت کے مقدمات مین عدالتون مین جو فیصلے صادر ہوتے ہین، اُن کی عمومیت کا اطلاق خود مقدمہ کے ہی واقعات پر کرنا چاہیے، ان فیصلون کے عام اسلوب بیان کو ذمہ داری قائم کرنے کے کسی عام اصول کی سند نہین قرار دے لینا چاہیے،

عام طور سے اس رائے کا اظہار کیا جاتا ہے کہ کوئی شخص جس پر قانوناً کوئی ذمہ داری عائد ہو، اپنی ذمہ داری کا انصرام کسی خود مختار کارندہ کے سپرد کرکے ذمہ داری سے عہدہ برآ نہین ہوسکتا،

اس رائے کی نسبت سر جان سامنڈ نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ اگر کسی شخص کی ذمہ داری محض یہ ہے کہ کسی کام کو انجام دینے مین ضروری احتیاط عمل مین لائے تو عام حالات مین وہ شخص کسی ماہر کارندہ کو کام کے انجام دینے پر مامور کرکے اپنی ذمہ داری اس کارندہ پر منتقل نہین کرتا، بلکہ خود وہ ماہر کارندہ کو مامور کرکے درحقیقت احتیاط ہی عمل مین لاتا ہے،

[۵] سامنڈ لا آف ٹارٹس ص ۳۹ ایڈیشن ۱۹۳۲ء،

اگر یہ شخص کسی ایسے کام کی انجام دہی کے لئے جس مین خاص مہارت کی ضرورت ہے، کسی ماہر کو مقرر کرنے کے بجائے خود ہی وہ کام انجام دے لے، تو اس صورت مین اس شخص سے ضروری احتیاط تو گویا عمل مین آئی، خود غفلت کا صدور ہوگیا، اس بنا پر خود مختار کارندہ کو مقرر کرنے والا اس لئے ذمہ دار نہین قرار دیا جاسکتا کہ اُس نے اپنا فرض دوسرے کی جانب منتقل کردیا،

جو دلیل بھی خود مختار اجیر کو مقرر کرنے والے کو ذمہ دار قرار دینے کے بارے مین پیش کی جاسکتی ہے وہ سوا اس کے اور کچھ نہین ہوسکتی کہ مصالح عامہ کے خیال سے اس نوعیت کے مقدمات مین نیابتی ذمہ داری کے اصول کو وسعت دی گئی ہے،

سر جان سامنڈ نے یہ وضاحت بھی کی ہے کہ اگر اس اصول کو عام طور سے تسلیم کرلیا جائے تو پھر ملازمون اور آزاد کارندون مین کوئی فرق کسی طرح باقی نہ رہ سکیگا، اور عملاً یہ صورت حال پیش آئے گی کہ اگر کوئی شخص کسی کام کو انجام دینے کے لئے اپنے بجائے کسی دوسرے شخص کو مامور کرے تو مامور کرنے والا شخص تمام صورتون مین لامحالہ ذمہ دار قرار پائے گا، اگر زید اپنا سامان خود کہین سے لائے یا لیجائے تو احتیاط تنہا اس کا کام ہی ہوگا، لیکن اگر زید یہ کام کسی دوسرے سے لینا چاہے جس کی حیثیت خود مختار اجیر کی ہو تو زید کو اس اجیر کی غفلت کا ذمہ دار نہ ہونا چاہیئے،

اصل شخص کو ذمہ دار قرار دینے کے بارے مین یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر کسی خود مختار اجیر کے سپرد کوئی خطرناک کام کیا جائے، تو اس کی ذمہ داری اصل شخص پر رہنی چاہیے، چنانچہ چیف جسٹس کاک برن نے ایک مقدمہ[۱] کا فیصلہ صادر کرتے ہوئے لکھا ہے،

"وہ شخص جو کسی ایسے کام کے عمل مین لائے جانے کا حکم دیتا ہے جس سے عادۃً ہمسایہ کو مضرت پہنچنے کا احتمال ہو تو مضرت پیدا ہونے کا سد باب کرنے کے علاوہ مامور کنندہ پر

[۱] Bower v. Beat.

امر کا بھی پابند ہے کہ اپنی مضرت کے دفع کرنے میں ایسا انتظام عمل کرے، کہ مضرت نہ پہونچنے پائے اور اپنے کام کو انجام دینے کے لئے کسی دوسرے شخص کو مامور کرنے کی صورت میں خواہ وہ معاہدہ ہو یا کوئی آزاد شخص، اس کا انتظام بھی کر لیا جائے کہ مفوضہ کام سے کسی کو مضرت نہ پہونچنے پائے، ورنہ مامور کنندہ اپنے آپ کو اس ذمہ داری سے نہیں بچا سکتا"

سر جان سامنڈ کی رائے میں چیف جسٹس کاک برن کی رائے درست نہیں ہے، اور اس اصول کو مناسب و معقول اصول قرار نہیں دیا جا سکتا، سامنڈ نے اپنی رائے کی تائید میں لارڈ بلاک برن کا قول پیش کیا ہے، لارڈ بلاک برن نے ایک مقدمہ[1] کا فیصلہ کرتے ہوئے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ صرف چند ہی کام ایسے ہو سکتے ہیں کہ اگر وہ کارندوں کے سپرد کئے جائیں، اور احتیاط نہ برتی جائے، تو ان سے دوسروں کو مضرت پہونچنے کا اندیشہ نہیں کیا جا سکتا ہو، اگر نیابتی ذمہ داری کا وجود محض اسی لئے ہے تو پھر ملازموں اور خود مختار کارندوں کا فرق ہی قانون سے عملاً محو ہو جائے گا،

اگر زید کسی گتہ دار کو آتش گیر اشیاء تیار کرنے کے لئے مامور کرے، تو آیا وہ اس لئے ذمہ دار قرار دیا جائے گا، کہ گتہ دار کے ملازموں نے غفلت کر کے کسی کو کوئی مضرت پہونچائی،[2]

غرض یہ مسئلہ پیچیدہ ہے اور اس میں باہمی اختلاف آرا ہے،

قانون جنایات میں اخلاقی عنصر کو ملانے کی تحریک

اس صدی کی ابتدا سے انگلستان میں یہ تحریک شروع ہوئی تھی کہ ٹارٹ کے قانون میں اخلاقی عنصر کی آمیزش کی جائے، اس کا مدعا یہ تھا کہ ہرجانہ دلاتے میں صرف مدعی کا نقصان نہ دیکھا جائے، بلکہ ذمہ داری عائد کرنے میں مدعیٰ علیہ کی ذہنی حالت کو بھی وقعت دی جائے، اور جس کا قصور ہو اس پر ذمہ داری عائد کی جائے، مثلاً خود مختار اجیر کے کسی قصور پر اصل شخص ذمہ دار نہ قرار دیا جائے،

---

[1] Hughes v. Percival. [2] سامنڈ، لا آف ٹارٹس ص ۱۳۸ و ص ۱۳۹ سنہ ۱۹۲۸ء

اس تحریک کی بڑے بڑے اساتذہ نے حمایت کی لیکن قدیم نظریہ نہ صرف مضبوطی سے قائم رہا، بلکہ عدالتوں اور پارلیمنٹ نے قدیم اصول میں مزید وسعت پیدا کرنے کی کوشش کی، اور خود مختار کارندوں کے افعال کی بنا پر مامور کنندہ کی ذمہ داری بڑھنے لگی، اور مزدوروں کے معاوضہ کے قوانین کے ذریعہ مستاجروں پر دیوانی ذمہ داریاں بڑھائی جا رہی ہیں، چنانچہ کئی ایسی صورتوں میں متاجر پر معاوضہ کی ذمہ داری عائد کر دی گئی جن میں وہ قصور وار نہیں تھے[1]

(باقی)

---

[1] ڈبلیو، ٹی، ایس، سٹالی، بر اس کا نوٹ جو انہوں نے سامنڈ کی کتاب لا آف ٹارٹس میں باب اول کے اختتام پر لکھا ہے، ص ۶۳ تا ص ۷۰، سنہ ۱۹۲۸ء،

برٹش میوزیم مین کتب مشرقیہ کی نمائش

از

ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو، فیلو راکیفیلر فاؤنڈیشن آکسفرڈ یونیورسٹی

ابھی کچھ چند دن ہوئے برٹش میوزیم لندن مین بعض مشرقی ممالک کے مخطوطات و مطبوعات کی نمائش کا انتظام کیا گیا تھا، ایک وسیع ترین ہال مین جسے جارج سوم نے تعمیر کرایا تھا، گیارہ سکشن بنائے گئے تھے، اوران مین ہندستان، قدیم ایران، ترکی، چین، جاپان، سیام، اور مشرق کے بعض دوسرے ممالک کی کتابین بڑے سلیقہ سے شوکیس مین نمائش کے لئے رکھی گئی تھین، ہر کتاب کے متعلق کارڈ پر مختصر سے معلومات بھی درج کر دیئے گئے تھے، عربی و فارسی کے مخطوطات و نوادر کی نمائش پر زیادہ توجہ دی گئی تھی،

اسلام کے نامور مصنفین کی نایاب کتابون ابن خلکان، ابن خلدون اور دوسرے مشاہیر کے ہاتھ کی تحریرون کو یورپ مین دیکھ کر جو دل کی کیفیت ہوتی ہے، اس کا اظہار آسان نہین، اقبال نے جبھی کہا ہے،

گمر وہ علم کے موتی، کتابین اپنے آبا کی
جو دیکھین ان کو یورپ مین تو دل ہوتا ہے سی پارہ

یہان مختصر طور پر عربی فارسی کی کتابون اور دوسری تحریرون کا حال لکھا جاتا ہے:-

سب سے پہلے عربی مخطوطات کا ذکر کیا جاتا ہے،

قرآن شریف: تقطیع خورد، خط کوفی، کتابت ظاہرا گیارہوین یا بارہوین صدی کی معلوم ہوتی ہے،

قرآن شریف: تقطیع کلان، کتابت بہت عمدہ اور واضح، خط نسخ جلی،

اجازت نامہ: عبدالملک بن یزید کے زمانے مین مصر کے گورنر نے ایک قبطی کو جس کا نام پڑھا نہین جاتا یہ اجازت نامہ عطا کیا تھا کہ وہ دیرابوحرمس سے الگ فسطاط (قاہرہ) مین اواخر ربیع الثانی ۱۳۳ھ تک قیام پذیر ہو سکتا ہے، تاریخ تحریر ربیع الاول ۱۳۳ھ ہے،

دستاویز: کسی شخص احمد بن قرا نامی کو یہ دستاویز احمد بن طولون امیر مصر (۲۵۴ھ - ۲۷۰ھ) نے عطا کی ہے،

یہ دستاویز ایک شامی مخطوطہ کے صفحۂ اول پر چسپان ہے،

کتاب العرائس: سیرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم مصنفہ ابو اسحاق الثعلبی النیشاپوری متوفی ۴۲۷ھ مکتوب در ۵۱۳ھ ۱۱۱۹ء،

کتاب البارع فی اللغۃ: عربی لغت کی مشہور کتاب مؤلفہ ابو علی اسماعیل بن القاسم القالی اللغوی، اس کتاب کی ضخامت کا اندازہ ابن خلکان کے اس بیان سے ہوگا،

"کتاب البارع فی اللغۃ بناہ علی حروف المعجم وھو یشتمل علی خمسۃ آلاف ورقۃ"

پیش نظر نسخہ اس ضخیم کتاب کا صرف ایک ٹکڑا ہے، خط قدیم ہے، اور گیارہوین صدی عیسوی کا معلوم ہوتا ہے۔

کتاب المغازی: ابی عبداللہ محمد بن عمر بن الواقدی متوفی ۲۲۲ھ، یہ نسخہ خط نسخ

کا بہت اچھا نمونہ ہے، اسکی کتابت عراق میں ابو البرکات بن عیسیٰ بن ابو الاعلیٰ نے ۵۶۴ھ ۱۱۶۹م میں مکمل کی، ترقیمہ کی عبارت مجھے پسند آئی:

"ووافق الفراغ منه يوم السبت حادی عشر شعبان سنة اربع وستين وخمس مائة بمدينة الجزيرة عمرها الله تعالى كتبه العبد الحقير الى رحمة الله ورضوانه ابو البركات بن عيسى بن ابى يعلى رحمه الله ورحم من ترحم عليه ودعا له ولوالديه بالعتق من النار ولجميع المسلمين والمغفرة ورحم الله من قرأ فيه وترحم على كاتبه وعلى جميع المسلمين والحمد لله رب العالمين" مقابلہ، یہ نسخہ بہت حد تک صحیح ہے، چار چار بار اس نسخہ کا منقول سے مقابلہ کیا گیا ہے: بلغ مقابلته ربع مرات ...... على يد كاتبه عبد الواحد بن عبد الرحمن بن محمد بن عثمان بن على بن سليمان بن عبد الواحد ....."

مجمع الغرائب: احادیث کے غیر مشہور الفاظ کے لغات عربی شعراء کے اشعار بطور سند مصنف نے درج کئے ہیں، مکتوبہ ۵۸۸ھ بمطابق ۱۱۹۵ء

قانون ابن سینا: ضخیم کتاب کا پیش نظر نسخہ صرف ایک ٹکڑا ہے، جس میں تیسری کتاب کے صرف آخری سات فنون ہیں، دوسرے لفظوں میں یوں سمجھا جائے کہ روم ایڈیشن کے ص ۴۸۹ - ۶۱۰ کا مواد اس نسخے میں درج ہی خط نسخ مکتوب در ۵۲۵ھ مطابق ۱۱۳۱ء

جامع البیان عن تحویل القرآن: قرآن پاک کی تفسیر از ابو جعفر طبری، نسخہ بارھویں صدی عیسوی کا لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے،

کتاب الفصول: مصنفہ قاسم بن محمد الدیمرتی۔

عربی خطوط نویسی کے آئین اور نمونے درج ہیں، کتابت تیرھویں چودھویں صدی عیسوی کی معلوم ہوتی ہے،

کتاب لغازی والمغتذی: از ابو جعفر احمد بن محمد بن ابی الاشعث فن طب کی اس کتاب میں جسم انسانی کے مختلف اعضاء کا حال درج ہے، مصنف کے ذاتی نسخے سے یہ نقل ۴۸۹ھ مطابق ۱۰۹۶ء میں تیار کی گئی ہے،

ترجمان العبر: مصنفہ ابن خلدون (جلد چہارم)

تاریخ ابن خلدون کے اس نسخے کی اہمیت یہ ہے کہ اس کی کتابت مصنف کے لئے مصریوں کی گئی تھی، یہ نسخہ ایک زمانہ تک مصنف کے زیر مطالعہ رہا، متن میں اس کے قلم کے اضافے موجود ہیں اور بعض مقامات پر اس نے حواشی میں بعض معلومات کا اضافہ کیا ہے، یہ معلومات ۸۰۳ھ تک کے واقعات پر مشتمل ہیں،

نمائش میں اس نسخے کا جو صفحہ کھلا ہوا ہے، اس میں ایک شجرہ غوری بادشاہوں کا ہے جنھوں نے غزنہ، خراسان اور ہندوستان پر حکومت کی، مصنف نے ایک لمبا نوٹ ان کے جانشینوں پر جو ہندوستان کے حکمران رہے تھے، لکھ کر اضافہ کیا ہے، بعض معلومات سلطان محمد شاہ کے متعلق بھی بڑھائے ہیں جن سے ابن بطوطہ ملا تھا،

مقامات حریری: خود مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا نسخہ کی کتابت ۵۵۷ھ ۱۱۶۲ء میں ہوئی ہے، مختلف اصحاب کی تصحیحات درج ہیں، جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ نسخہ متعدد اصحاب کے زیر مطالعہ رہا ہے،

مقامات کا ایک دوسرا نسخہ[1] بھی نمائش گاہ کی زینت ہے، جو نہایت خوبصورت خط نسخ میں

---

[1] ابھی حال میں ۱۵ اکتوبر ۱۹۵۳ء کو قاہرہ میں مقامات کا ایک نسخہ دیکھنے میں آیا، یہ مکمل کتاب خود مصنف

شیر خرما سے ۶۵۴ھ ۱۲۵۶ء میں لکھا گیا ہے، اس نسخے مین ۱۰ نہایت عمدہ تصویرین ہین، جو اسلامی مصوری کے ابتدائی زمانہ کی ہین، اور اُن کی بڑی اہمیت ہے،

کتاب نعت الحیوان ومنافعہ } طب کی ایک کتاب جس مین یہ بتایا گیا ہے کہ جانورون کے جسم کے مختلف اعضا کن امراض مین مفید ہین، نسخہ مصوّر ہے، اور مختلف جانورون کی تصویرین موجود ہین،

دیوان المتنبی: ابو الطیب احمد بن الحسین المتنبی مقتول ۳۵۴ھ کے دیوان کا نہایت قدیم اور نادر نسخہ، اس کی کتابت مصنف کی وفات کے ۴۴ سال کے بعد ۳۹۸ھ مین ہوئی ہے، اس دیوان پر علی بن حمزہ بصری نے جو حواشی لکھے ہین، وہ بھی اس نسخہ پر بصری کے ایک شاگرد نے درج کر دیئے ہین،

وفیات الأعیان: ابن خلکان کی تاریخ کا نادر ترین نسخہ، خود مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا، نمائش مین کتاب کا پہلا اور دوسرا حصہ رکھا گیا ہے لیکن منتظمین نے یہ خوشخبری سنائی کہ اس کا چوتھا حصہ بھی یہان موجود ہے، پوری کتاب ابن خلکان (۶۰۸ھ - ۶۸۱ھ) کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے، اور حواشی پر اُن کے قلم کے اضافے بھی ملتے ہین، اس کی کتابت انھون نے مصر مین جمعہ ۵ ربیع الاول ۶۵۵ھ کو مکمل کی ہے.

نمائش گاہ میں اس نسخے کا جو صفحہ کھلا ہوا ہے اس مین طغتکین اور طلائع بن رزیک کے حالات درج ہین، طغتکین کے ترجمہ کے بعد ابن خلکان نے حاشیہ مین اس عبارت کا اضافہ کیا ہے :-

"وللمعز المذکور صنف ابو الغنائم مسلم بن محمود بن نعمہ بن ارسلان الشیزری کتابہ الذی سماہ عجائب الاسفار[۱] وغرائب الاخبار، واودع فیہ من اشعارہ واخبار الناس کثیراً"

(بقیہ حاشیہ ص ۲۷۹) کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے، اور اس مین بڑے نامور علما کی تحریرات درج ہین۔ [۱] اس کا ایک نسخہ لیڈن کے کتب خانہ مین محفوظ ہے،

کچھ دنون کے بعد ابن خلکان کی نظر پھر اس صفحہ پر پڑی، اس وقت انھون نے دو مزید اضافے کئے، یہ اضافے پہلی تحریر سے یون نمایان ہین کہ اس کی روشنائی نہایت سیاہ ہے اور چمکیلی،

پہلا اضافہ مختصر سا متن کے بین السطور مین ہے، متن مین لکھا تھا کہ سیف الاسلام کی وفات ۵۹۳ھ مین منصورہ[۱] مین ہوئی، اب انھون نے بین السطور مین تاریخ وفات ۱۹ شوال کا اضافہ کر دیا ہے،

پھر وفات کے ذکر کے بعد اس عبارت کا اضافہ ہے :-

"وتولّی بعدہ ولدہ الملک المعز فتح الدین اسماعیل"

ایک اور اضافہ حاشیہ پر درج ہے :

وذکر ابو الغنائم المذکور فی کتابہ جمہرۃ الاسلام[۲] ذات النثر والنظام انہ مات بتعز ودفن بہا بالمدرسۃ. ثم قال وقتل ولدہ فتح الدین ابو الفداء اسماعیل فی رجب سنۃ ثمان وتسعین بمکان یقال لہ عجمی شامی زبید وتولّی مکانہ أخوہ الملک الناصر ایوب"

پھر ابن خلکان کو خیال ہوا ہوگا کہ اس صفحہ پر ابو الغنائم کا دو جگہ ذکر آیا ہے، کچھ ان کا حال بھی لکھ دینا چاہیے، چنانچہ طلائع بن رزیک کے ترجمے کے سامنے سیدھے ہاتھ کے حاشیے پر یہ عبارت بقلم شیر خرما بڑھائی ہے،

"وکان ابو الغنائم المذکور ادیباً شاعراً وکان موجوداً فی سنۃ سبع عشرۃ وست مائۃ. فلعلہ توفی فی ہذہ السنۃ او بعدہا. وکان

---

[۱] اس پر بعد مین حاشیہ لکھا ہے :- وذکر المعز بن عساکر انہ مات بالحمراء من بلاد الیمن،

[۲] استاد مکرم علامہ عبد العزیز میمنی نے اطلاع دی ہے کہ اس کتاب کا ایک نسخہ اسلامیہ کالج پشاور کے کتب خانے مین موجود ہے،

ابوہ ابوالثنا محمود نحویاً متصدراً بجامع دمشق لاقراء النحو، وذکرہ الحافظ ابن عساکر فی تاریخہ الکبیر وذکرہ العماد الکاتب فی کتاب الخریدۃ وقال توفی بعد سنۃ خمس وستین وخمس مائۃ،

وقال شرف الدین ابن عنین انشدنی محمود المذکور لنفسہ:

یقولون کانت الشتاء کثیرۃ ۔۔۔ وما ھی الا واحد غیر مفتری

اذا صح کانت الکیس فالکل حاصل ۔۔۔ لدیک وکل الصید یوجد فی الفراء

وکان جدہ ارسلان مملوک ابن منقذ صاحب شیزر واللہ اعلم

اب فارسی کی قلمی کتابون کا حال لکھا جاتا ہے:

دستاویز: انگور کے ایک باغ کی فروخت سے متعلق ہے، تحریر چمڑے پر ہے، زبان پہلوی اور رسم الخط آرامی، زمانہ کتابت سنہ ۱۱ یا ۱۲ سنہ قبل مسیح بتایا جاتا ہے، اس دستاویز کا اکتشاف کردستان مین ہوا تھا، اور اس پر ایک تفصیلی مضمون جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی لندن مین شائع ہوچکا ہے، ملاحظہ ہو جرنل مذکور بابت سنہ ۱۹۱۹ء ص ۱۴۹،

تقویۃ الصحۃ: طب کی ایک عربی کتاب مصنفہ ابو الحسن المختار بن الحسن بن عبدون (ابن بطلان الطبیب)[1] کا فارسی ترجمہ جس کا مترجم نامعلوم ہے، کتاب مین متعدد خاکے اور تصویرین درج ہین، اور عام حفظان صحت کے متعلق بہت اچھے معلومات،

برٹش میوزیم مین یہ فارسی کا قدیم ترین نسخہ ہے، جس کی کتابت سنہ ۵۱۷ھ سنہ ۱۱۲۳ء مین ہوئی ہے،

بہمن نامہ: اس منظوم کتاب مین بہمن اور سیتانیون کی لڑائیون کا ذکر ہے، مصنف نامعلوم ہے،

---

[1] اصل عربی کتاب کا ایک نسخہ متحف برطانیہ مین موجود ہے شرقیہ ۲۷۹۳،

لیکن نظم کا زمانۂ تصنیف اواخر نوین صدی ہجری بتایا جاتا ہے، اس مجموعہ مین اور بھی رزمیہ نظمین ہین جن کی کتابت اور مرصع کاری سنہ ۸۰۰ھ سنہ ۱۳۹۷ء مین ہوئی ہے،

خمسۂ امیر خسرو: یہ نسخہ کتابت اور مرصع کاری دونون حیثیتون سے فن کا بہت اچھا نمونہ ہے، جو ابو الغازی سلطان حسین متوفی سنہ ۹۱۱ھ کے کتب خانے کے لئے تیار کیا گیا تھا، پہلے صفحہ پر یہ عبارت درج ہے،

"کتاب خمسۂ امیر خسرو دہلوی علیہ الرحمۃ برسم خزانۃ السلطان الاعظم الخاقان الاعدل الاکرم ابو الغازی سلطان حسین بہادر خان خلد ملکہ،

ترقیمہ کی عبارت یہ ہے:-

"تمت الکتاب بید تراب اقدام الفقراء محمد علی بن درویش علی، بہ بلدۃ الہراۃ حفظہ اللہ عن الآفات والبلیات فی شہر جمادی الآخر سنہ سبع عشر وتسع مایۃ"

ترقیمہ کی اس عبارت سے سال کتابت سنہ ۹۱۷ھ (سنہ ۱۵۱۱ء) ثابت ہوتا ہے جس سے پہلی بات مشکوک ہوجاتی ہے،

دیوانِ خاقانی: خاقانی کے دیوان کا قدیم اور نہایت خوبصورت نسخہ حصہ اول ورق ۲۲۳ پر ختم ہوا ہے، اور یہ صفحہ مرصع ہے، ترقیمہ سے معلوم ہوتا ہے، کہ یہ نسخہ یحییٰ بن حامد الخوارزمی کے لئے سنہ ۵۹۴ھ سنہ ۱۱۹۸ء مین لکھا گیا، ترقیمہ یہ ہے:-

"برسم خزانۃ امیر الاعظم العادل یحیٰی بن حامد الخوارزمی فی سنۃ اربع وتسعین وخمس مائۃ من الہجرۃ النبویۃ،

جامع التواریخ: تاریخ کی مشہور کتاب مصنفہ رشید الدین فضل اللہ، یہ مفید کتاب

افسوس ہو کہ اب تک مکمل طور پر مرتب ہو کر شائع نہین ہو سکی ہے، موجودہ نسخہ پہلی جلد کا آخری حصہ ہے

جس مین فارس کے مغول حکمران غازان خان ۱۲۹۵ء سے ۱۳۰۴ء تک کے حالات درج ہین،

ذخیرۂ خوارزم شاہی: فارسی زبان مین طب کی قدیم ترین انسائیکلوپیڈیا مصنفہ زین الدین ابو ابراہیم اسمٰعیل بن حسن الجرجانی متوفی ۵۳۱ھ ۱۱۳۶ء نسخہ تیرہوین صدی کے اواخر کا لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے،

دیوان حافظ سعد: حافظ سعد کے متعلق بہت کم معلومات ہم تک پہنچے ہین، غالباً اُن کا زمانہ تیرھوین صدی ہے، پیش نظر نسخہ اُن کی غزلیات اور دوسری منظومات کا مجموعہ ہے جسے شیخ محمود نے خط نستعلیق مین شاہ بوداق کے کتب خانے کے لئے لکھا تھا، جو علوم و فنون کا بڑا مربی تھا، گو شاہزادہ کبھی تخت نشین نہ ہو سکا لیکن وہ ازبکون کے شیبانی خاندان کا ایک نامور رکن تھا، جنھون نے سمرقند پر ۱۴۲۹ء سے کم وبیش ۱۴۶۰ء تک حکومت کی،

موجودہ نسخہ متحف برطانیہ مین خطاطی اور مرصع کاری کے بہترین نمونون مین شمار کیا جاتا ہے، اس کی کتابت ۸۶۳ھ ۱۴۵۹ء مین ہوئی ہے،

حافظ سعد کا کلام عام طور پر نہین ملتا، یہان نمونے کے لئے ایک غزل درج کی جاتی ہے:-

اے نور ز تو جہان جان را　　من بے تو چہ می کنم جہان را

آتش زدم و بہ باد دادم　　در کوے غم تو خان و مان را

دل گشت کباب چند بندم　　در سینۂ آتشین فغان را

دریاب کہ جان رسید بر لب　　از درد جدائی تو جان را

دفت ست کہ در غمت کنم فاش　　این گریہ و نالۂ نہان را

نجنم بہ نوید گفت خاموش　　مکشاے دہان مکش زبان را

کاشب سر صحبت ست ما را　　آن ہمع سراجہ روان را

سعد از دم و آہ خویش نیستان　　این مشعلہاے آسمان را

دیوان سلمان ساوجی: جمال الدین سلیمان خواجہ، جو سلمان ساوجی کے نام سے مشہور ہین، اُن کے دیوان کا ایک مستند نسخہ، مکتوب در ۷۹۳ھ ۱۳۹۲ء طرز کتابت نستعلیق کے ابتدائی زمانہ سے مشابہ ہے،

کتاب التفہیم لعوائل التنجیم: ابوریحان برونی متوفی ۴۴۰ھ ۱۰۴۸ء کی ہیئیات مین مشہور تصنیف، بہ خط نسخ، مکتوب در ۶۸۵ھ ۱۲۸۶ء،

متعدد علٰحدہ شوکیس مین عربی اور فارسی کے مندرجہ ذیل مخطوطات رکھے گئے تھے، جو خطاطی مصوری اور مرصع کاری کے بہت اچھے نمونے کہے جا سکتے ہین،

قرآن شریف: تقطیع کلان، قرآن پاک کے کچھ اجزاء جلی خط ثلث مین مذہب، یہ نسخہ شاہی کتب خانے کے لئے موصل مین ۷۱۰ھ مین تیار کیا گیا،

قرآن شریف: تقطیع کلان، مکمل، زمانہ کتابت تقریباً تیرھوین صدی عیسوی، علامات وقف، اور سورتون کے نام (جو بخط کوفی ہین) سنہرے ہین،

قرآن شریف: تقطیع خورد، خط کوفی بہ خط خفی ۱۲۵۴ء تقریباً سال کتابت ہے،

قرآن شریف: تقطیع کلان، سات جلدون مین مکمل قرآن کی کتابت سنہرے حرفون مین کی گئی ہے، ابتدائی چار صفحات کی مرصع کاری دیکھنے کے لائق ہے، یہ نسخہ مملوک بادشاہ رکن الدین بیبرس دوم (۷۰۴ھ ۱۳۰۴ء) کے لئے لکھا گیا ہے،

قرآن شریف: تقطیع کلان، کتابت سولھوین صدی کی ہے، خط نسخ کا یہ نادر نمونہ کسی شاہی کتب خانہ مین [illegible]ھ ۱۵۰۰م مین رہ چکا ہے، یہ کسی زمانہ مین امیر سندھ کی ملکیت مین تھا، بعد کو

شاہان دہلی کے پاس بھی رہا ہے، متعدد تحویلین بھی درج ہین،

شاہ نامہ: مصور و مرصع، تیموریون کے زمانہ کی مصوری کا نفیس نمونہ رایل ایشیاٹک سوسائٹی لندن کے نوادر مین ہے، اور برٹش میوزیم کے منتظمین کی درخواست پر نمایش کے لئے مستعار ملا ہے، اس نسخہ کی مرصع کاری پندرہوین صدی کے نادر روزگار فن کارون کے ہاتھ کی ہے، ترقیمہ درج نہین، لیکن مہرون سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ نسخہ دہلی کے شاہی کتب خانے کی زینت کا سامان بن چکا ہے، اس پر مغل خاندان کے چھ حکمرانون، بابر، ہمایون، اکبر، جہانگیر، شاہ جہان، اور اورنگ زیب کی مہرین ثبت ہین،

خمسۂ نظامی: برٹش میوزیم کے اہم ترین نوادر مین اس کا شمار ہے، شاہ محمود نیشاپوری نے یہ نسخہ شاہ تہماسپ (سنہ ۹۴۶ھ ۱۵۳۹ء) کے لئے تبریز مین تیار کیا تھا، اس کی تکمیل مین تین سال خرچ ہوئے، اس کی تصویرین شاہی دربار کے نامور ترین مصورون نے بنائی ہین، جن مین مرزا علی، سلطان محمد اور آقا میرک خاص طور پر قابل ذکر ہین، تصاویر کی تعداد ۱۴ ہے، ان مین ۱۱ تو اسی زمانہ کی ہین جس زمانہ مین اس نسخہ کی کتابت ہوئی ہے، اور تین تصویرین بعد کا اضافہ ہین،

اس کی جلد بھی نقش و نگار اور مرصع کاری کا بہترین نمونہ ہے، جو کتاب سے علٰحدہ کرکے برٹش میوزیم کے دفتری خانہ کی مرمت اور اصلاح کے بعد اس شوکیس مین نمایش کے لئے رکھ دی گئی ہے، جو جلد سازی کے بہترین نمونون کے لئے مخصوص ہے، جلد پر جو تصویر بنی ہوئی ہے، اس مین دکھایا گیا ہے کہ فتح علی شاہ قاچار اپنے درباریون کے ساتھ شکار مین مشغول ہے،

جامع التواریخ: تاریخ عالم جسے رشید الدین طبیب نے فارسی مین مرتب کیا اور مصنف کی نگرانی مین عربی مین اس کا ترجمہ ہوا، اس نے تاریخ لکھنے کی ابتدا سنہ ۷۰۰ھ مین کی اور سنہ ۷۱۰ھ مین اسے مکمل کردیا، اس نسخے کی کتابت مصنف کی وفات سے چار سال پہلے سنہ ۷۱۴ھ مین ہوئی، تصاویر مغل مصوری کا بہت اچھا نمونہ ہین،

یہ نسخہ رایل ایشیاٹک سوسائٹی لندن کی ملکیت ہے، اور نگران کی اجازت سے یہان نمایش گاہ مین رکھا گیا ہے، پیش نظر نسخہ کتاب کا صرف ایک حصہ ہے، بقیہ اجزا یونی ورسٹی لائبریری ایڈنبرا مین موجود ہین،

نمایش گاہ مین کتاب کا جو صفحہ کھلا ہوا ہے، اس مین غزوہ بنی نضیر کا حال درج ہے، اور تصویر مین دکھایا گیا ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم گھوڑے پر سوار اور صحابۂ کرام مسلح ہم رکاب ہین، دو سوار آگے، دو پیچھے، اور چار اُن سے بھی پیچھے موجود ہین، جبرئیل جلو مین ہین، سامنے قلعہ سے بنو نضیر کے افراد نظر آرہے ہین، حاشیہ پر یہ فارسی عبارت درج ہے:

"آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کہ محاصرہ بنی النضیر کردہ بودند کفار آنجا از بالائے قلعہ ..... سنگ می انداختند"

انوار سہیلی: تعداد تصاویر ۲۵، مکتوب سنہ ۱۰۱۹ھ ۱۶۱۱ء

خمسۂ نظامی: نستعلیق، خوشخط، قلم خفی، مکتوب در سنہ ۸۴۶ھ ۱۴۴۲ء اس مین ۲۰ تصویرین پورے پورے صفحہ کی ہین، جو فن کا بہت اچھا نمونہ ہین، تین تصویرون پر بہزاد کے دستخط موجود ہین،

خمسۂ نظامی: اس نسخے مین ۱۲ تصویرین بہزاد کی طرف منسوب ہین، پانچ میرک اور دو اس عہد کے دوسرے مشہور مصورون کی طرف، یہ نسبتین ممکن ہے صحیح نہ ہون، پھر بھی ان تصویرون کی اہمیت سے انکار ممکن نہین،

مجموعۂ تصاویر: یہ مجموعہ کچھ قدیم نہین، تیرہوین صدی ہجری کا معلوم ہوتا ہے، جس مین ایرانی شہزادون اور امرار کی تصویرین ہین، سامنے کے صفحہ پر "نواب مستطاب شہزادہ اعظم افخم اعتضاد السلطنۃ علی قلی مرزا وزیر علوم و تجارت و صنائع" ایرانی درباری لباس مین متمکن ہین،

مجموعۂ تصاویر: اس مجموعہ مین نظامی کی مثنویات اور دوسرے منظومات کے علاوہ ہیئت نجوم

کے بعض رسالے موجود ہین اس کی کتابت دو کاتبون نے ۱۴۱۳-۱۴۱۶ء مین تیمور کے پوتے اور ایک مغل شہزادے جلال الدین اسکندر کے لئے کی تھی، اس مجموعہ مین ۲۱ بڑی اور کچھ چھوٹی تصویرین موجود ہین،

مجموعۂ تصاویر ۳۰ اس مین مغل اور ہندوطرز کی تصاویر ہین اور کچھ نمونے خطاطی کے بھی موجود ہین کھلے ہوئے صفحہ پر دو ہندو لڑکیان ناچ رہی ہین،

ایک دو شوکیس مین صرف جلد بندی کے نادر نمونے جمع ہین، ان مین قدامت کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے، اور کچھ جلد بندی کے نمونے صرف حسن اور نفاست کے خیال سے رکھے گئے ہین، مندرجہ ذیل کتابون کی جلد بندی دیکھنے کے لائق ہے، یوسف زلیخا، دیوان حافظ، دیوان نوائی، محمود و ایاز، انوار لالی، گلستان، ظفرنامہ، خمسۂ نظامی، ہمایون نامہ،

ہندوستانی سکیشن مین زیادہ تر مصوری کے نمونے ہین، راجہ مان سنگھ اور نورجہان کی تصویرین بھی ایک مجموعے مین دیکھنے مین آئین، یہ مجموعہ ۱۸ وین صدی کا تیار کیا ہوا معلوم ہوتا ہے،

اردو مین شاہ علی کے دکنی اشعار کا مجموعہ قابل ذکر ہے، جو ۹۹۰ھ کا لکھا ہوا ہے، اور شاید وہ متحف برطانیہ کی قدیم ترین اردو کتابون مین ہے،

ایک چھوٹی سی کتاب تصوف پر شاہ عبداللطیف سندھی کی بھی موجود ہے، جسکی کتابت ۱۹ وین صدی عیسوی کی ابتدا مین ہوئی ہے،

اس مضمون کا خاتمہ، اس نمایش کی مطبوعات پر کرتا ہون،

ہندوستانی تصانیف کی طباعت کی ابتدا غالباً سب سے پہلے جنوبی ہند مین پرتگالی حکومت کے عہد مین کیتھولک مبلغین نے کی، سب سے پہلے ان لوگون نے مسیحی تبلیغات کے متعلق کتابچے تامل زبان مین چھاپے، لیکن طباعت کی مشکلات کی وجہ سے رسم الخط رومن رکھا، ۱۵۷۸ء مین ملیالم زبان کے ٹائپ بنانے مین یہ لوگ قادر ہوگئے، Taan Gonsalveg نے ملیالم زبان اور رسم الخط کا ٹائپ تیار کیا اور اس مین

کئی مذہبی کتابین چھاپین، Too da Faria بھی اپنے طور پر نئے ٹائپ بنانے اور ڈھالنے مین کامیاب ہوگیا، اور اس نے ۱۷۱۵ء مین تامل مین مذہبی کتابین چھاپنی شروع کردین، ۱۷۱۴ء مین عہد نامہ جدید کا تامل ترجمہ پروٹسٹنٹ مبلغین کی طرف سے شائع ہونا شروع ہوگیا، اس ترجمہ کی طباعت کی تکمیل ۱۷۲۰ء مین ہوئی، یہ مطبوعہ نسخہ یہان نمائش کے لئے رکھ دیا گیا ہے،

شمالی ہند مین سب سے پہلے بنگالی زبان کی کتابون کی اشاعت کی طرف لوگون نے توجہ کی، بنگالہ ٹائپ پہلی مرتبہ چارلس (جو بعد مین سر) ولکنس نے تیار کیا، اور پہلی کتاب **اے گریمر آف دی بنگال لنگویج** مصنفہ N. B. Halhed ۱۷۷۸ء مین یہ ٹائپ استعمال کیا گیا، یہ مطبوعہ نسخہ بھی نمائش گاہ کی زینت ہے،

اپنشد کا وہ ترجمہ بھی یہان موجود ہے، جو ۱۸۱۶ء مین کلکتہ سے رام موہن رائے نے شائع کیا تھا، موصوف کا یہ ترجمہ اُن کی ابتدائی زمانے کی تحریرون مین شمار کیا جاتا ہے، اور اس لحاظ سے بھی اس کی اہمیت ظاہر ہے، **کرشن وجے** کا ایک مطبوعہ نسخہ بھی قابل ذکر ہے، جس کا مصنف (Gunn-araja Khan) ہے جس نے کرشن کی زندگی و تعلیمات پر یہ کتاب بنگلہ زبان مین ۱۸۱۰ء مین لکھی تھی، کالی داس کی شکنتلا کا انگریزی ترجمہ سر ولیم جونس کا کیا ہوا جو کلکتہ مین ۱۷۸۹ء مین شائع ہوا تھا، اور ٹیگور کی گیتان جلی کا انگریزی ترجمہ لندن ۱۹۱۲ء بھی یہان نمائش مین موجود ہے،

مین نے نمائش کے منتظمین سے اس بات کی شکایت کی کہ مطبوعات کے سیکشن مین انھون نے عربی و فارسی اور اردو کی کتابون کے ساتھ کچھ ناروا سا سلوک کیا ہے، کم از کم انتخاب مین انھون نے بے پروائی برتی، ورنہ قدیم اور حسین طباعت کے بڑے دلکش اور قیمتی نمونے انھین نمائش گاہ کی زینت کے لئے مل جاتے، مجھے امید ہے کہ آیندہ ان مطبوعات کو خاطرخواہ جگہ دی جائے گی،

عربی مطبوعات مین دو کتابون کا انتخاب کیا گیا ہے، احمد شوقی مصر کے مشہور شاعر کا مجموعۂ کلام شوقیات (مطبوعۂ قاہرہ) اور عربی کے سب سے بڑے زندہ مصنف طٰہٰ حسین کی خودنوشت سوانح حیات الایام (مطبوعہ

قاہرہ ۵ ہ۔ ۱۹۲۲ء) کے نسخے نمایش گاہ کی زینت ہین،

فارسی مطبوعات مین نمایان جگہ علامہ اقبال کی تصانیف کو دی گئی ہے، مثنوی اسرار خودی مطبوعہ لاہور ۱۹۲۳ء کے نسخے کے قریب ہی انگریزی مین یہ تعارفی کارڈ رکھا ہوا ہے، "سر محمد اقبال (لاہور) جدید ہندستان کے بڑے جلیل القدر مسلمان شاعر کی اسلامی تصوف سے متعلق دو فارسی منظوم کتابین"،

شوکیس مین ہندی، اُڑیا اور سنسکرت کے مطبوعات اور برہمنون کی تصانیف کے جھرمٹ مین اقبال کی دوسری فارسی کتاب کا ص ۴۹ کھلا ہوا رکھا ہے، جس مین غزل ۱، کا یہ مطلع نمایان طور پر نظر آتا ہے:

ہنگامہ را کہ بست درین دیر دیر پائے
زناریان او ہمہ نالندہ ہم چو نائے

دروس الادب

مصنفہ

سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ

عربی کی پہلی اور دوسری ریڈر جن کو مصنف نے عربی کے ابتدائی طالب علمون کے لئے اس طرح لکھا ہے کہ طالب علم کو ادب اور نحو کے ساتھ ساتھ تعلیم اور مشق ہو سکے، اکثر مدارس مین یہ داخل نصاب ہے،

قیمت حصہ اول ۳ر

" " دوم ۶ر

"منیجر"

ملا عبدالقادر بدایونی

اور

ان کی تاریخ منتخب التواریخ

از

ڈاکٹر قاضی محمد ابراہیم ایم اے، پی ایچ ڈی، لکچرار شعبۂ فارسی اسمٰعیل کالج بمبئی

ملا عبدالقادر بدایونی دربار اکبری کے ایک ممتاز ترین اور مشہور عالم و فاضل تھے، اُن کے نام کے بغیر اکبری تاریخ نامکمل رہ جاتی ہے، تاریخ نویسون کی صف مین ان کا درجہ بلند و برتر ہے، علم تاریخ ان پر جتنا بھی ناز کرے کم ہے، ملا صاحب خود اپنے پیدایش کا تذکرہ اپنی تاریخ مین مختلف جگہ کرتے ہین، ملا صاحب بمقام ٹونڈہ جو آگرہ اور اجمیر کے درمیان ہے، پیدا ہوئے، چنانچہ وہ لکھتے ہین:-

"......آنجا سہ چہار روزی بودہ براہ قصبہ تودہ کہ مولد فقیر است بہ بساور کہ "واوّل ارضٍ مس جلدی ترابہا" وارد رسید"[1]

اس سے صرف اتنا ہی پتہ نہین چلتا کہ وہ ٹونڈا مین پیدا ہوئے تھے، بلکہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کی رسم ختنہ بھی اسی جگہ ادا کی گئی اور بقول ایلیٹ[2] ملا صاحب کی ولادت بدایون مین ہوئی، معلوم نہین کن معلومات کی بنا پر ایلیٹ بدایون کو ان کا مقام ولادت بتلاتے ہین، چونکہ ملا صاحب زیادہ عرصہ تک بساور ہی مین رہے، اس لئے اسے اپنا مولد لکھتے ہین، جیسا کہ ان کی ذیل کی تحریر سے ظاہر ہے،

---

[1] منتخب التواریخ حصہ سوم ص ۳۰۹ (فٹ نوٹ نمبر ۲) [2] ایضاً جلد دوم،

"........ در قصبہ بساور کہ مولد فقیر است اسحاق نامی افغان

شہید شدہ"

ملا صاحب ۹۴۷ھ مطابق ۱۵۴۰ء مین پیدا ہوئے، شیر شاہ سوری بڑی شان وشوکت سے حکمران تھا، ایسے منصف مزاج بادشاہ کے عہد مین پیدا ہونے پر ملا صاحب فخر کرتے ہین، چنانچہ لکھتے ہین کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نوشیروان جیسے عادل حکمران کے زمانہ مین پیدا ہونے پر فخر تھا اُسی طرح مجھے شیر شاہ جیسے منصف اور عدل پسند بادشاہ کے زمانہ مین پیدا ہونے پر ناز ہے؛

"وبحمد اللہ کہ در زمان این چنین ملکی کما قال النبی علیہ السلام انا ولدت فی زمان الملک العادل تولد صاحب این منتخب در ہفدہم شہر ربیع الثانی در سنہ سبع واربعین وتسعمائۃ (۹۴۷ھ) واقع شد"[۵۰]

سال ولادت کی تصدیق ملا صاحب کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے، جو انھون نے سلیم شاہ سوری کے زوال کی بابت لکھا ہے،

"واین واقعہ در سنہ سبع وخمسین وتسعمائۃ (۹۵۷ھ) روی داد وجامع اوراق کہ دران زمان دہ سالہ بود این را تاریخ یافت"[۵۱]

عدلی کے ذکر مین ملا صاحب لکھتے ہین کہ بداون مین ۹۶۱ھ مین میان یحییٰ نے عدلی کی فوج کو شکست دی، اس وقت اُن کی عمر ۱۲ سال کی تھی، اس لحاظ سے وہ ۹۴۹ھ مین پیدا ہوئے جس سے اُن کے سنہ ولادت کے بارے مین شبہ پڑ گیا ہے بعض صاحب قلم سنہ ولادت ۹۴۷ھ اور بعض ۹۴۹ھ قرار دیتے ہین، مصنف دربار اکبری نے ۹۴۷ھ بتلایا ہے، الیٹ دونون سال (۹۴۷ھ اور ۹۴۹ھ) لکھتے ہین،

[۵۰] منتخب التواریخ جلد اول ص ۳۶۳ [۵۱] ایضاً ص ۴۰۹،

ملا صاحب کی والدہ بیانہ کے ایسے شریف خاندان سے تھین جس کے افراد صاحب علم اور دیندار تھے، ملا صاحب کے نانا مخدوم اشرف بجوارہ کے سردار فرید تارن کی فوج مین کسی عہدہ پر فائز تھے، فرید تارن سلیم شاہ کے عہد مین پنجہزاری سردار تھا، چنانچہ ملا صاحب لکھتے ہین :[۵۲]

"جامع این منتخب ...... با لشکر فرید تارن پنجہزاری رفت"

ملا صاحب ابتدا مین اپنے والد ملوک شاہ کے پاس ہی رہے، اور قرآن مجید وغیرہ پڑھتے رہے، اُن کے والد نے ۹۶۹ھ کی ۱۷ رجب المرجب کو آگرہ مین انتقال کیا، آگرہ سے اُن کی نعش بساور لاکر دفن کی گئی، ملا صاحب لکھتے ہین؛[۵۳]

"والد ماجد مؤلف پیش ازین بیک سال ترک دنیا...... شیخ ملوک شاہ بتاریخ بست وہفتم رجب المرجب در آگرہ بزحمت اسہال کبدی رخت ہستی از عالم فانی بملک جاودانی بست ونعش او در بساور بردہ مدفون ساختم"

ذیل کے اشعار سے ملا صاحب نے اُن کی تاریخ وفات نکالی ہے،

سرو فراز افاضل دوران ملوک شاہ — آن بحر علم ومعدن احسان کان فضل

چون بود در زمانہ جہانے ز فضل از ان — تاریخ سال فوت شدہ آمد جہان فضل

والد کے بعد ملا صاحب نے اپنے نانا سے علم حاصل کیا، اور مختلف علوم سے بہرہ یاب ہوئے، اپنی تاریخ میں اس کا مفصل حال لکھا ہے کہ مین نے جزئیات کی تعلیم اور دیگر علوم انہی سے سیکھے؛[۵۴]

"در بیستم ماہ مبارک رمضان این سال جد مادری فقیر مرحومی مخدوم اشرف در بساور از عالم درگذشت واین خبر در بلدہ سنبوان از تواریع سنبل شنیدہ وفاضل جہان تاریخ وفات او یافتہ شد وچون تعلیم جزئیات وبعضی از علوم عربیہ ازو گرفتہ بود وحقوق بسیار بر ذمہ اہل علم

[۵۲] منتخب التواریخ حصہ اول ص ۵۰۳ [۵۳] ایضاً جلد دوم ص ۵۲ [۵۴] ایضاً ص ۹۴

داشت کلفت و محنت بسیار ازین واقعہ روی داد .... و این بیت امیر خسرو

بیاد آمد کہ

سیف از دلم گذشت و دل من و نیم ماند دریاے خون روان شد و در یتیم ماند

ابتدا میں ملا صاحب اکبری عہد کے امیر اور جاگیردار حسین خان کی خدمت میں داخل ہوئے، اس کے بعد اکبر کے دربار میں باریاب ہوئے، حسین خان اکبری دربار کے ایک امیر والی بیگ کا لڑکا تھا، وہ نیک سُنی الاعتقاد، متقی و پرہیزگار ہونے کے علاوہ صاحب علم و دانش، مربی نحو و سخن وران اور جنگجو و بہادر سپاہی تھا، انہیں اوصاف کی بنا پر ملا صاحب نے اس کی خدمت میں رہنا پسند کیا، ایک جگہ اس کا تذکرہ کرتے ہیں:[۵۰]

"و جامع این منتخب پیش ازین بیک سال در عمر خوب از بدایون به پٹیالی رفتہ بخان مذکور (حسین خان) آشنا شدہ و از بس کہ متخلق و متواضع و درویش سیرت و شجاع و باذل و پاکیزہ روزگار و اہل سنت و جماعت و علم پرور و فضل دوست بود و نیک پیش آمد از صحبت او بجاے دیگر رفتن و ملازمت نمودن خوش نیامد و مدت دہ سال .... با وے شرکت کرد"

ملا صاحب دس سال تک حسین خان کی خدمت میں رہے، اور اس کے ساتھ میدان جنگ میں بھی شریک ہوئے، حسین خان نے اپنی جوانمردی و سپاہیانہ ہنر کی وجہ سے اکبر سے انعام حاصل کئے، چنانچہ ۹۶۸ھ میں اس نے اکبر کے ساتھ کسی مہم میں اپنی جوانمردی کے جوہر دکھائے، جس سے اکبر خوش ہوا، اور اسے انعامات سے مالامال کیا، اور اپنی شمشیر ہلالی اسے دی، ملا صاحب لکھتے ہیں:[۵۱]

"و شاہنشاہی جمعی را بہ تیر اندازی حکم فرمود .... و حسین خان از جملہ آن کسان

---

[۵۰] منتخب التواریخ حصہ دوم ص ۷۰، ۷۶ [۵۱] ایضاً ص ۱۶۸،

بود کہ درین جنگ از پیش قدمان بود و شمشیر ہلالی خاصہ کہ مشہور ترین شمشیرہا بود باو بخشیدند"

ملا صاحب خود حسین خان کی جرأت اور جوانمردی کی تعریف کرتے ہیں اور اسے رستم سے بھی زیادہ سراہتے ہیں:

"[۵۲] درین سال سکندر در قلعہ مانکوٹ متحصن شد و امراے کبار ہر روز جنگ انداختہ کار برو تنگ ساختہ خصوصاً محمد حسین خان .... دران جنگ تردد ے کرد کہ اگر رستم زندہ می بود انصاف می داد"

حسین خان صوفیوں اور ولیوں کا بھی دلدادہ تھا، اور ان کا بڑا احترام کرتا تھا، اور اکثر اوقات ان کی صحبت سے فیضیاب ہوتا، ملا صاحب نے اپنی تاریخ خصوصاً اس کی تیسری جلد میں اکثر جگہ اس کا ذکر کیا ہے، ملا صاحب بھی اس کے ساتھ ولیوں اور خدا ترس لوگوں کی صحبت سے فیض حاصل کرتے اور اسے باعث عز و شرف سمجھتے، اس کی وفاداری اور جوانمردی سے متاثر ہوکر اکبر نے کانت گولہ کی جاگیر اسے دیدی تھی لیکن پھر مخالفوں کے بھڑکانے پر اس سے ناراض ہوگیا، اور جاگیر چھین لی، اور دربار میں آنے سے روک دیا[۵۳]

ایک مرتبہ جب اکبر آگرہ سے دہلی واپس ہوا[۵۴] تو حسین خان نے حاضر خدمت ہونے کی آرزو ظاہر کی لیکن قبول نہ ہوئی،

ملا صاحب جب زخمی ہوکر ایک مدت تک صاحب فراش رہے، تو حسین خان نے اُن کی بڑی تیمارداری کی، چنانچہ لکھتے ہیں،

"[۵۵] ...... و از آنجا بہ کانت گولہ رسید چون غسل کرد، از سر نو صاحب فراش گشت و

---

[۵۱] منتخب التواریخ حصہ دوم ص ۱۰۸ [۵۲] ایضاً ص ۱۰۷ [۵۳] ایضاً ص ۱۰۸ [۵۴] ایضاً ص ۱۵۲،

حسین خان را حق سبحانہ و تعالیٰ بہشت جاودان نصیب گردانیدہ باشد کہ در با بہائے

پدری و برادری فوق از طاقت بشری بجا آورد و ہم مرہم از چوب گز ساخت و ہم حلوائے گزر

خوردن فرمود"

ملا صاحب نے خود میدان جنگ مین بعض مرتبہ حسین خان کو سہارا دیا، کسی مہم مین حسین خان سخت

زخمی ہوا، اور بے ہوش ہو کر گھوڑے سے گرا چاہتا تھا کہ ملا صاحب نے اسے سہارا دیا، اور اس کے

چہرے پر پانی چھڑک کر ہوش مین لائے، اور اس کے گھوڑے کی لگام تھام کر جائے پناہ کی طرف لے گئے،

لیکن آخر مین دونون مین کشیدگی پیدا ہوگئی، ملا صاحب نے صفائی کی کوشش کی، مگر کامیابی نہ ہوئی،

"...... وبچشم زخمے دران محبت رسید و امرے غریب باعث بر جدائی شد و او ہر چند در[1]

مقام عذر خواہی درآمدہ بازو سائل دو ساٹ انگیخت و در بداؤن رفتہ والدہ مرحومہ را شفیع ساخت

فائدہ نہ کرد و بملازمت خلیفہ زمان شتافت، بیت

دل کہ رنجید از کسی خرسند کردن مشکل است

شیشہ بشکستہ را پیوند کردن مشکل است

ملا صاحب نے جمال خان قورچی اور حکیم عین الملک کے ذریعہ اکبر کے دربار مین رسائی

حاصل کی،[2]

۹۷۵ھ مین بداؤن مین دوسری شادی کی چنانچہ لکھتے ہین :-

"و درین سال نسبت کدخدائی صاحب انتخاب[3] در بداؤن منتفی واقع شد و بموجب

فالآخرۃ خیر لک من الاولیٰ بخجستگی برآمد و الحمد للہ و تاریخ گفتہ شد"

چون مرا از عنایت ازلی	اتصالی بماہ چہری شد

---

[1] منتخب التواریخ حصہ دوم صفحہ ۸۰، [2] ایضاً ص ۱۰۲، [3] ایضاً ص ۱۰۵،

عقل تاریخ کدخدائی را	گفت ماہی قرین مہری شد"

اس بیوی سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام انھون نے عبد اللطیف رکھا لیکن افسوس کہ اس نونہال

نے زیادہ عمر نہ پائی اور جلد ہی داغ مفارقت دے گیا، ملا صاحب کو ایک اور صدمہ بھی سہنا پڑا، ان کا بھائی

شیخ محمد بھی جس کو وہ جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے، راہی ملک بقا ہوا، اس درد و غم کا اظہار ان اشعار

مین کیا ہے[1]

تا کے زمانہ داغ غمم بر جگر نہد	یک داغ نیک نا شدہ داغ دگر نہد
ہر داغ کہ آورد قدری رو بہ بہتری	ان داغ را گذارد و داغ بتر نہد

بھائی کی موت پر ملا صاحب نے ایک نہایت موثر مرثیہ بھی لکھا تھا، چنانچہ لکھتے ہین،[2]

"و این ترکیب بند در مرثیہ او (برادر) از بس کہ بہ داغ حسرت فوتش الی الیوم الموعود

کباب بود و ہست و خواہد بود نوشتہ شد و ہو ہذا :

اوس کا ایک بند یہ ہے،

یا رب این روز چہ روزیست کہ افتاد مرا	و این چہ جانکاہ بلائیست کہ رو داد مرا
ہیچکس نیست کہ فریاد من او را رسید	زسبیچ کسے لیک بفریاد مرا
ماہ من آخر شب رفت پس پردہ غیب	بین کزین حاملہ غیب چہ غم زاد مرا
مایۂ شادی و امید دلم رفت بخاک	بعد ازین دل بچہ امید شود شاد مرا
گرچہ بنیاد من از صبر قوی بود ولی	سیل غم آمد و انداخت ز بنیاد مرا
ان کسے را کہ کنم یاد بروزے صد بار	وہ کہ یک بار بسالی نکند یاد مرا
چرخ بے داد چہ غمہا کہ بمن داد کنون	داد خود از کہ ستانم کہ نہ بد داد مرا

---

[1] بدایونی جلد دوم ص ۱۲۷، [2] ایضاً،

ملا صاحب نے اپنی کتاب میں اپنی لڑکی کی موت کا بھی ذکر کیا ہے، چالیس برس کی عمر میں ملا صاحب کے ایک اور لڑکا پیدا ہوا جس کا نام انھوں نے محی الدین رکھا، اُن کی مندرجہ ذیل عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ رنگین مزاج بھی تھے، ۹۷۰ھ میں ملا صاحب کانت گولہ میں کسی کے عشق میں گرفتار ہوگئے، مگر وہ اس میدان کے مرد نہ تھے، اس لئے اس کا خمیازہ بھی انھیں بھگتنا پڑا، محبوب کے رشتہ داروں نے ملا صاحب پر حملہ کر دیا، جس سے وہ بیہوش ہوکر گر پڑے، اور عرصہ دراز تک صاحب فراش رہے، اس واقعہ کو انھوں نے خود لکھا ہے[1]؛

"درین سال بر جا مع منتخب واقعہ ہائلہ روے نمود و آن مجملا انیست کہ چون کانت گولہ بجاگیر محمد حسین خان بود و فقیر بر حسب تقدیر چند گاہ در صحبت او ماندہ ...... بتقریب شاہ مدار قدس اللہ سرہ العزیز در مکن پور از توابع قنوج رسید، و چون آدمی زاد کہ شیر خام خوردہ بحسب سرشت مرکب از غفلت جبلی کہ موجب ندامت و ظلم و جہل اصلی کہ باعث جسارت و خسارت است و بہ میراث از ابو البشر بما رسیدہ دیدہ عقل را پوشید و آنرا عشق نامید و بدام شہوت واز گرفتار ساخت و سر نوشت گذشتہ پیش آمد، بے ادبی عجب ناگاہ در آن درگاہ واقع شد و از آنجا کہ ہم غیرت و ہم عنایت حق سبحانہ عز شانہ بود مکافات آن جرمیہ و تنبیہ بران خطیہ در دار دنیا دید، تاہم از قوم معشوق چندیہا مسلط ساخت و نہ زخم شمشیر پیاپے از ایشان بر سر و دست و دوش خوردہ و ہمہ پوست مال رفت مگر زخم سر کہ استخوان را شکستہ بمغز رسید، بے شعور افتاد ......"

اپنے والد اور نانا کے علاوہ ملا صاحب نے جن اساتذہ سے علم حاصل کیا تھا ان کا ذکر انھوں نے اپنی تاریخ میں کیا ہے، شیخ سعد اللہ نحوی کے ذکر میں لکھتے ہیں کہ اُن کے نانا نے ان کو شیخ موصوف

[1] منتخب التواریخ حصہ دوم ص ۱۳۷، [2] ایضاً حصہ سوم ص ۱۰۸

کی خدمت میں بھیجا، اور ملا صاحب نے اُن سے کافیہ کے چند سبق پڑھے، شیخ سعد اللہ بیانہ کے رہنے والے اور شیخ محمد غوث کے شاگرد تھے، انھوں نے بیانہ میں خانقاہ بھی تعمیر کی، ان کا انتقال ۹۸۹ھ میں ہوا، ملا صاحب چند روز شیخ ابو الفتح تھانیسری کے حلقۂ درس میں بھی رہے[1]، شرح شمسیہ مرزا سمرقندی سے، اور وقایہ کے سبق قاضی ابو المعالی سے پڑھے، قاضی صاحب ۹۷۹ھ میں بخارا سے آگرہ آئے، وہ قاضی ابو المعالی گورنر بخارا کے شاگرد و خلیفہ اور داماد تھے[2]، اس وقت بخارا میں علم منطق کا بڑا چرچا تھا، منطقی تعریف لوگوں کو اس کی دلیلوں کے ذریعہ جانور قرار دینے لگے، اس لئے گورنر موصوف نے قاضی صاحب کے حکم سے اس علم کا مطالعہ بخارا میں بند کرا دیا، جس کی وجہ سے بہت سے منطقی ہندوستان چلے آئے،

ملا صاحب نے فیضی و ابو الفضل کے ساتھ ان کے والد شیخ مبارک سے بھی تحصیل علم کی، چنانچہ اپنی تاریخ میں اُن کی تعریف کی ہے، مگر فیضی اور ابو الفضل کے تعلق سے نشتر بھی چبھوئے ہیں[3]،

"جامع اوراق در عنفوان شباب اگرچہ چند سال در ملازمتش سبق خواندہ الحق صاحب حق عظیم است ولیکن بجہت ظہور بعضی امور دنیاوی و بے دینی و غوص در مال و جاہ و زمانہ سازی و مکر و فریب و غلو در وادی تغیر مذہب و ملت آنچہ سابق داشت اصلاً نماند"

ملا صاحب بڑے راسخ العقیدہ مسلمان تھے، اس لئے فیضی اور ابو الفضل اور اُن کے آزادانہ خیالات سے انھیں سخت نفرت تھی، اُن کے نزدیک یہ دونوں خود بھی جادۂ اسلام سے منحرف تھے، اور اکبر کو بھی منحرف کیا تھا، اس لئے وہ ان دونوں کے سخت خلاف تھے، اور اپنی تاریخ میں نہایت برے الفاظ میں اس کا ذکر کیا ہے، حتی کہ اس کی موت پر نہایت نامناسب تاریخیں کہیں، مثلاً

(۱) سگے از جہان رفتہ بحال قبیح[4]،

[1] ترجمہ منتخب التواریخ حصہ سوم ص ۱۲۹، [2] ایضاً ص ۱۵۰، [3] ایضاً، [4] ایضاً ص ۱۰۰، [5] ایضاً ص ۳۰۰

(۲) چه سگ پرستے مردے[1]

(۳) بود فیضی ملحدے[2]

ملا صاحب دیندار دمتقی تھے، ان مین ریاکاری مطلق نہ تھی، جب انہین مخدوم الملک اور عبدالنبی کی بددیانتی کا پتہ چلا تو اُن کے بھی خلاف ہو گئے، اور اُن کی بددیانتی کی مثالین بھی بیان کر دین مخدوم الملک کی بابت لکھتے ہین کہ اکبر کے ابتدائی دور مین یہ سیاہ و سفید کا مالک تھا، اکبر کوئی کام اس کے اور عبدالنبی کے مشورہ کے بغیر نہین کرتا تھا، مذہب کے معاملہ مین یہ دونون مہتر تھے،[3] مخدوم الملک نے اسی زمانہ مین کافی دولت جمع کی، اور اپنے مکان مین دفن کر دیا، اور اس کے اوپر قبر بنوا دی، اور اس پر چراغ اور عود جلانے کے لئے ایک نوکر مقرر کر دیا، تاکہ لوگ اسے کسی بزرگ کا مزار تصور کرین لیکن اس کا زوال شروع ہوا، تو اکبر نے اس کی دولت اور جائداد کی تفتیش کرنے کے لئے ایک کمیٹی مقرر کر دی، اور اس تفتیش مین یہ قبرین بھی کھودی گئین، جس سے دولت برآمد ہوئی، اور شاہی خزانہ مین داخل کر دی گئی، شیخ عبدالنبی کی بابت لکھتے ہین کہ وہ زکاۃ ادا کرنے کے وقت اپنی تمام جائداد اور پونجی اپنی بیوی کے نام منتقل کر دیتا تھا، اور وقت گذر جانے کے بعد دوبارہ اپنے نام کر لیتا تھا، ان کی ان بددیانتیون اور ریاکاری سے ملا صاحب اُن کے خلاف ہو گئے، اور اپنی تاریخ مین اُن کی بڑی خبر لی ہے، ملا صاحب کی اسی روش نے ان کے راستہ مین کانٹے بوئے، ورنہ وہ فیضی اور ابوالفضل سے پیچھے نہ رہتے،

---

[1] منتخب التواریخ حصہ سوم ص ۳۰۰ [2] ایضاً ص ۳۰۰ [3] و مخدوم الملک در احمد آباد درگذشت........ و قاضی علی از فتح پور بجہت تحقیق اموال او نامزد شدہ بلاہور آمد و چندان خزائن و دفائن او پدید گشت کہ قفل آن را بکلید وہم نتوان کشاد از ان جملہ چند صندوق خشت طلا از گور خانہ مخدوم الملک کہ بہانہ اموات دفن کردہ بود ظاہر شد" (منتخب التواریخ حصہ دوم ص ۳۱۱)

ملا صاحب صوفیہ و مشائخ کا دل سے احترام کرتے تھے، اور اُن کی صحبت مین رہنا باعث فخر و نجات سمجھتے تھے، جہان کہین بھی جاتے صوفیائے کرام کی صحبت سے فیضیاب ہوتے، اپنی تاریخ مین اس کا اظہار جابجا کیا ہے، ایک مرتبہ ملا صاحب شیخ ابواسحاق لاہوری کے یہان مہمان ہوئے، اور انکی زیارت کرنے کے بعد شیرگڈھ روانہ ہوئے، راستہ مین قزاقون اور جاٹون نے انھین گھیر لیا، اور دریافت کیا کہ وہ اس خطرناک راستہ سے تنہا کہان جا رہے ہین، ملا صاحب نے کہا شیخ اسحاق کی زیارت کرنے کے بعد میان داؤد سے ملنے جا رہے ہین، میان صاحب کا نام سنتے ہی قزاقون نے ارادہ بدل دیا، اور دودھ اور دیگر اشیائے خوردنی کر ان کی تواضع کر کے اُن کو رخصت کر دیا،[1] ملا صاحب کو شیخ داؤد سے بڑی عقیدت تھی، شیخ موصوف بڑے بلند پایہ صوفی تھے، ایک روز ملا صاحب سہارنپور مین تھے کہ ایک مسافر نے قادریہ پیراہن لاکر ان کو دیا، ملا صاحب کے استفسار پر اُس نے بتلایا کہ شیخ داؤد نے یہ پیراہن اس کو دیا تھا، راستہ مین خطرہ تھا، اس لئے مسافر نے اس کی حفاظت کے خیال سے پیراہن ملا صاحب کو دیدیا، یہ معلوم ہونے کے بعد ملا صاحب نے نہایت احترام سے پیراہن کو اپنے پاس رکھا

........[2] کرامہا چیزے بخشیدند چون نوبت بمن رسید این پیراہن را از بدن مبارک فرود آوردہ مرحمت فرمودند و من پوشیدن آن را گستاخی دانستہ برائے تحفہ بردن بجائے بامانت نگاہ داشتہ بودم حالا شما میگذرانم آن ہدیہ غیبی و گنج باد آوردہ را بتمین و تبرک از وگرفتم،

قطعہ

نکہت پیراہنت آمد بہ من	لذت جان یافتم زان رایحہ
خواندہ بودم فاتحہ وصل ترا	شد قبول الحمد للہ فاتحہ

اسلام شاہ نے اپنے زمانہ مین مشہور و معروف ولی و صوفی شیخ علائی کو مروا ڈالا تھا، ملا صاحب نہایت

---

[1] منتخب التواریخ حصہ سوم ص ۴۸، ۴۹ [2] ایضاً ص ۳۷، ۳۸،

عقیدتمندی مین لکھتے ہین کہ اسی وجہ سے اسلام شاہ کی سلطنت کا تختہ الٹ گیا،

و بعد ازین قضیہ[1] زوال شد و دولت

اسلیم شاہی بدو سال نکشید"

ملا صاحب بڑے زندہ دل اور یار باش آدمی تھے، حلقۂ احباب مین رہنا بہت مرغوب تھا، اپنی تاریخ مین جابجا دوستون کی موت پر دلی رنج و غم کا اظہار کیا ہے، چنانچہ خواجہ ابراہیم حسین اور نظام الدین احمد صاحب طبقات اکبری کی موت پر بڑے افسوس کا اظہار کیا ہے، چنانچہ لکھتے ہین[2]:-

"و یکے از شاگردان میر درخط و از مصاحبان فقیر خواجہ ابراہیم حسین احدیست رحمہ اللہ کہ از بزرگ زادگان بلدۂ بلوط و خویشان نزدیک شیخ عبدالرحمٰن لاہوری بلوطی است کہ در مقتدائی و ولایت مشرب در زمان خود شہرۂ روزگار بود و از عالم غرور در عین جوانی بدار سرور رفت و داغ احباب را کباب ساخت و فقیر را در یکسال بتفاوت اندک ایام مصیبت او و ہم مصیبت مرزا نظام الدین احمد رسید و داغ یاران کہنہ را تازہ ساخت و روز بروز تازہ تر می شود، نظم!

دریغا در درا مرہم ندیدم امید وصل بود آن ہم ندیدم
ازان کار مراست است بنیاد کہ عہد دوستان محکم ندیدم

مولانا علی احمد نشانی جو اپنے دور کے مشہور خطاط اور شاعر تھے، ملا صاحب کے دوستون مین سے تھے، اُن کو اُن سے خاص لگاؤ تھا، ملا صاحب نے بڑے شوق سے ان کا تذکرہ کیا ہے، اور اُن کے اشعار اپنی تاریخ مین نقل کئے ہین، چنانچہ لکھتے ہین[3]،

...... چون فقیر را از ریعان عہد شباب تا ہنگام این انتخاب کہ زبان کہولت

[1] منتخب التواریخ حصہ اول ص ۴۰۰، [2] ایضاً حصہ سوم ص ۲۲۸، [3] ایضاً ص ۳۵۰،

بلکہ شیخوخت است با وجہ اتحاد و اعتقاد و ارتباط و اختلاط از ہر چہ تعدد توان کرد قوی تر است اگر بعضی از فوائد منظومہ و منثورۂ او را باسباغ و اشباع ایراد نماید جائے آن دارد، از اشعار اوست!

تمنا تا سبزۂ[1] خط بر لب جان بخش پیدا شد مسیحا بود تنہا خضر ہمراہ مسیحا شد
تعجب دی خم شکستی آب تشناک ریختی خاک من بر باد و خون من بر خاک ریختی
یاد از یار خبر بر دل ناشاد آورد اعتمادی نتوان بر سخن باد آورد
مرا ہر شب چو زدان خواب گیر چشم تر گردد دلم را با غمت بیداد جنید باز بر گردد

ملا صاحب نے ان کی تتبع مین حسب ذیل اشعار کہے ہین،

بصد امید قاصد می فرستم سوی آن بدخو معاذ اللہ ازان ساعت کز و نومید برگردد
تا سینہ از خدنگ جفای تو خستہ ایم مرہم نماندہ ایم و جراحت نبستہ ایم

ملا صاحب کے اکثر دوست و احباب اُن کی زندگی ہی مین مرگئے، اور وہ تنہا رہ گئے تھے، ملا عبدی کے ذکر مین اپنے دوستون کی مفارقت اور اپنی تنہائی کا بڑے درد و اثر سے تذکرہ کیا ہے، لکھتے ہین[2]،

"نازم بنگدلی خویش کہ در فراق چہ کسان سنگ بر سینہ زدہ نشستہ ایم"

ملا صاحب کے حلقۂ احباب مین فیضی تھے، وہ دونون ہم مکتب و ہم جماعت تھے، اور چالیس سال تک[3] ان کے تعلقات قائم رہے، فیضی نے دوستی کی خاطر ملا صاحب کی جو بڑی مدد کی، اس کی تفصیل یہ ہے کہ اکبر ملا صاحب سے برہم ہو گیا تھا، اور ان کو اُن کے عہدہ سے برطرف کر دیا، اس وقت فیضی دکن مین تھا، ملا صاحب نے کشمیر سے دو خط فیضی کو لکھے کہ وہ اکبر سے اُن کی سفارش کر دے، فیضی نے ۱۰ رجمادی الاول ۱۰۰۰ھ مطابق ۲۳ر فروری ۱۵۹۲ء احمد نگر سے لاہور ایک سفارشی خط اکبر کے نام بھیجا، جو واقعی دوستی کا حق ادا کرتا ہے[4]،

[1] منتخب التواریخ حصہ سوم ص ۳۰۵، [2] ایضاً ص ۳۵۱، [3] ایضاً ۲۸۳، [4] ایضاً ۳۰۵،

خط کے بعض اقتباسات حسب ذیل ہیں :-

"......[51] شکستہ نواز ملا عبدالقادر اہلیت تمام دارد...... و قریب بسی و ہفت سال می شود

کہ بندہ او را میدانم و بافضیلت علمی طبع نظم و سلیقۂ انشاے عربی و فارسی و چیزے از نجوم ہندی

و حساب یاد داشت ...... و وقوف در نغمۂ ولایت و ہندی و خبری از شطرنج صغیر و کبیر دارد

و مشق بین بقدری کردہ ...... اوّل مرتبہ او را جلال خان قورچی بدرگاہ آوردہ بعرض رسانیدہ

بود کہ من امامی بر حضرت پیدا کردہ ام کہ حضرت را خوش خواہد آمد و میر فتح اللہ ہم اندکی از احوال او

بعرض اقدس رسانیدہ بودند و خدمت اخوی برحال او مطلع اند اما مشہور است اع

جوے طالع زخرد از ہنر بہ

...... بندۂ خود را حاضر پایۂ سریر اعلیٰ دانستہ احوال بعرض رسانید اگر دریں وقت بعرض

نمی رسانید نوعی از نا راستی و بی حقیقتی بود......"

لیکن افسوس کہ ملا صاحب نے اس دوستی کے باوجود فیضی کی جابجا مذمت کی ہے، اُن کو خود بھی

اس کا اقرار ہے کہ فیضی نے اُن کی بڑی مدد کی لیکن ملا صاحب کٹر مسلمان تھے اس لئے انھیں فیضی کی

وسیع المشربی پسند نہ تھی، اس لئے انھوں نے فیضی کی مذمت کی،[52] شیخ یعقوب کشمیری کے ایک خط سے جو

انھوں نے فیضی کو لکھا تھا معلوم ہوتا ہے کہ ملا صاحب دوستوں میں بہت مقبول اور ہر دلعزیز تھے، اور ان

کے دوست اُن کی بڑی عزت و حرمت کرتے تھے، شیخ یعقوب نے خط کی ابتدا میں ملا صاحب کی خوبیاں بیان

کی ہیں، اور اُن کی شان میں یہ رباعی لکھی ہے،[53]

از دو دانی بد دانی بیشک	در فنون فضیلت است فزون
پس دلیل زیادت معنیش	کہ بنایش بصورتست فزون

---

[51] منتخب التواریخ حصہ سوم ص ۳۰۴، [52] ایضاً ص ۳۰۵ [53] ایضاً ص ۱۴۴،

ملا صاحب عالم ہونے کے ساتھ فنِ موسیقی کے بھی ماہر تھے، انھیں موسیقی سے بڑی دلچسپی تھی، وہ گاتے

بھی تھے، اور بین بھی خوب بجاتے تھے فیضی نے جو سفارش نامہ ان کے لئے اکبر کو بھیجا تھا، اس میں اس کا

خاص ذکر کیا تھا،[54]

"وقوف در نغمۂ ولایت و ہندی ...... دارد و مشق بین بقدری کردہ"

خنجر بیگ کے حالات میں ملا صاحب لکھتے ہیں کہ وہ ایرانی اور ہندی موسیقی دونوں میں ماہر تھے، خاص کر

چھ راگوں میں جن سے مراد بھیروی، سارنگ، ہندول، وسنت، دیپک اور میگھ ہے، ان چھ راگوں کا جاننا کار

مشکل ہے، اس سے موسیقی میں ملا صاحب کی مہارت کا پتہ چلتا ہے، (باقی)

---

[54] منتخب التواریخ جلد ۳ صفحہ ۴۴،

بزمِ تیموریہ

بابر ایک بے مثل اہلِ قلم تھا، ہمایوں نے شعر و شاعری کے علاوہ ہیئت و نجوم کی بھی انجمن آرائی

کی اکبر کا عہد علوم و فنون کی روشنی سے جگمگا اٹھا جہانگیر نے ادب و انشاء کو چمکایا، شاہجہان نے

شعراء اور فضلاء کو سیم و زر میں تلوایا، عالمگیر نے معارف پروری اور انشا پردازی کے اعلیٰ نمونے پیش کئے، تیموری

دور کے آخری بادشاہوں نے بھی اپنے اسلاف کی روایات کو قائم رکھنے کی کوشش کی، بہادر شاہ ظفر نے

عروسِ سخن کے گیسو سنوارے، تیموری شہزادوں اور شہزادیوں نے بھی علم و ادب کی محفلیں سجائیں دربار کے

امراء، شعراء اور فضلاء نے شاہانہ سرپرستی میں گوناگوں کمالات ...... دکھائے ان سب کی تفصیل اس کتاب

میں ملاحظہ فرمائیے، قیمت: ۱۰۰ (مرتبہ سید صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب)

"منیجر"

آثارِ علمیہ و ادبیہ

مکاتیب سر اقبال

بنام

مولانا سید سلیمان ندوی

"معارف میں حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ کے نام ہندوستان کے مشاہیر اور علماء و اصحاب کمال کے خطوط کی اشاعت کا جو سلسلہ شروع کیا گیا ہے وہ بہت پسند کیا گیا، گذشتہ مہینہ ناغہ ہوگیا تھا تو اس کو جاری رکھنے کے لئے متعدد خطوط آئے، انکے نام سر اقبال کے بھی بہت سے خطوط ہیں، یہ خطوط اگرچہ اُن کے مجموعۂ مکاتیب "اقبال نامہ" میں شائع ہو چکے ہیں، مگر یہ اصل میں دار المصنفین ہی کی ملکیت ہیں، اور یہیں سے اُن کی نقل بھیجی گئی تھی، یہ خطوط علمی حیثیت سے بہت اہم ہیں، اور اکثر ناظرین معارف کی نگاہ سے نہ گذرے ہوں گے، اس لئے معارف میں بھی اُن کو شائع کر دینا مناسب معلوم ہوا، اس کے بعد انشاء اللہ دوسرے اکابر کے غیر مطبوعہ خطوط مسلسل شائع کئے جائیں گے، "م"

(۱)

لاہور - یکم نومبر ۱۹۱۶ء

مخدومی　　السلام علیکم

اورینٹل کالج لاہور میں ہیڈ پرشین ٹیچر کی جگہ خالی ہوئی ہے، اس کی تنخواہ ایک سو بیس روپیہ

ماہوار ہے، میں یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ کیا آپ اس جگہ کو اپنے لئے پسند فرماتے ہیں، اگر ایسا ہو تو آپ کے لئے سعی کی جائے، آپ کا لاہور میں رہنا پنجاب والوں کے لئے بیحد مفید ہوگا، والسلام

آپ کا خادم

محمد اقبال بیرسٹر - لاہور،

(۲)

لاہور - ۱۲ نومبر ۱۹۱۶ء

مخدومی　　السلام علیکم :-

مجھے یہ معلوم تھا کہ آپ ملازمت کوئی قبول نہ کریں گے لیکن سنڈیکیٹ کے بعض ممبروں کی تعمیل ارشاد میں آپ کو لکھنا ضرور تھا، کسی قدر خود غرضی کا شائبہ بھی میرے خط میں تھا، اور وہ یہ کہ میں چاہتا تھا کہ جس طرح پنجاب والوں کو صوبہ متحدہ کے علماء و فضلاء سے اس سے پیشتر فائدہ پہنچا ہے، اب بھی وہ سلسلہ آپ کے یہاں رہنے سے بدستور جاری رہے، مولانا شبلی مرحوم کی زندگی میں میں نے بڑی کوشش کی کہ کسی طرح مولانا مرحوم پنجاب میں مستقل طور پر اقامت گزین ہو جائیں، مگر مسلمان امراء میں مذاق علمی مفقود ہو چکا ہے، میری کوشش بارآور نہ ہوئی، اللہ تعالیٰ دار المصنفین کے کام میں برکت دے، اور آپ کا وجود مسلمانوں کے لئے مفید ثابت کرے، آپ کی غزل لاجواب ہے، بالخصوص یہ شعر مجھے بڑا پسند آیا،

ہزار بار مجھے لے گیا ہے مقتل میں　　وہ اک قطرۂ خوں جو رگِ گلو میں ہے

مولانا شبلی مرحوم و مغفور نے تاریخی واقعات کو نظم کرنا شروع کیا تھا، اور جو چند نظمیں انھوں نے لکھی تھیں وہ نہایت مقبول ہوئیں، غزل کے ساتھ وہ سلسلہ بھی جاری رکھیے،

باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے، امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا،

مخلص محمد اقبال - لاہور،

(۳)

لاہور - ۱۳ر نومبر ۱۹۱۷ء

مخدومی السلام علیکم

آپ کا نوازش نامہ قوتِ روح اور اطمینان قلب کا باعث ہے ، مین ایک مدت کے مطالعہ اور غور و فکر کے بعد ان ہی نتائج پر پہنچا ہون جو آپ کے والانامے مین درج ہین ، جو کام آپ کر رہے ہین ، جہاد فی سبیل اللہ ہے ، اللہ اور اس کے رسولؐ آپ کو اس کا اجر عطا فرمائین گے ، اس مین ذرا بھی شک نہین کہ تصوف کا وجود ہی سرزمین اسلام مین ایک اجنبی پودا ہے ، جس نے عجمیون کی دماغی آب و ہوا مین پرورش پائی ہے ،

آپ کو خیر القرون قرنی والی حدیث یاد ہوگی ، اس مین نبی کریمؐ فرماتے ہین کہ میری اُمت مین تین قرنون کے بعد سمن (و یظهر فیهم السّمن) کا ظہور ہوگا مین نے اس پر دو تین مضامین اخبار وکیل امرتسر مین شائع کئے تھے ، جس کا مقصود یہ ثابت کرنا تھا کہ "سمن" سے مراد رہبانیت ہے ، جو وسط ایشیا کی اقوام مین مسلمانون سے پہلے عام تھی ، ائمہ محدثین نے جیسا کہ آپ کو معلوم ہے یہ لکھا ہے کہ اس لفظ سے مراد عیش پرستی ہے ، مگر لسانی تحقیق سے محدثین کا خیال صحیح نہین کھلتا ، افسوس ہے کہ عدیم الفرصتی اور علالت کی وجہ سے مین ان مضامین کا سلسلہ جاری نہ رکھ سکا ، میرا تو عقیدہ ہے کہ غلو فی الزہد اور مسئلہ وجود مسلمانون مین زیادہ تر بدھ (ہمنیت) مذہب کے اثرات کا نتیجہ ہین ، خواجہ نقشبند اور مجدد سرہند کی میرے دل مین بہت بڑی عزت ہے ، مگر افسوس ہے کہ آج یہ سلسلہ بھی عجمیت کے رنگ مین رنگ گیا ہے ، یہی حال سلسلۂ قادریت کا ہے ، جس مین مَین خود بیعت رکھتا ہون ، حالانکہ حضرت محی الدینؒ[1] کا مقصود اسلامی تصوف کو عجمیت سے پاک کرنا تھا ،

مدّت سے میری مراد ایڈیٹر کتاب الطواسین موسیو مسگنان ہے جس نے فرانسیسی زبان مین طواسین

[1] حضرت محی الدین عبد القادر گیلانی ،

کے مضامین پر حواشی لکھے ہین ، انشاء اللہ معارف کے لئے کچھ نہ کچھ لکھون گا ، میری صحت بالعموم اچھی نہین رہتی ، اس واسطے بہت کم لکھتا ہون ، مثنوی اسرار خودی کا دوسرا حصہ یعنی رموز بے خودی (اسرار حیات ملیہ اسلامیہ) قریب الاختتام ہے ، شائع ہونے پر ارسال خدمت کرون گا ، امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا ،

مخلص محمد اقبال

(۴)

لاہور - ۲۰ر اپریل ۱۹۱۸ء

مخدومی السلام علیکم

والانامہ ابھی ملا ہے ، رموز بے خودی مین نے ہی آپ کی خدمت مین بھجوائی تھی ، ریویو کے لئے سراپا سپاس ہون ،

آج مولانا ابو الکلام کا خط آیا ہے ، انھون نے بھی میری اس ناچیز کوشش کو بہت پسند فرمایا ہے ، مولانا شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد آپ استاذ الکل ہین ، اقبال آپ کی تنقید سے مستفید ہوگا ، اسرار خودی کا دوسرا اڈیشن تیار کر رہا ہون ، عنقریب آپ کی خدمت مین مرسل ہوگی ،

رسالہ صوفی مین مین نے کوئی نظم شائع نہین کی ، کوئی پرانی مطبوعہ نظم انھون نے شائع کر دی ہوگی ورنہ یہ کیونکر ممکن ہے کہ مین صوفی کو معارف پر ترجیح دون ، معارف ایک ایسا رسالہ ہے جس کے پڑھنے سے حرارت ایمانی مین ترقی ہوتی ہے ، مین انشاء اللہ ضرور آپ کے لئے کچھ لکھون گا ، یہ وعدہ کچھ عرصہ ہوا مین نے آپ سے کیا تھا ، اور مین اس وقت تک پورا نہین کر سکا ،

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا ، والسلام

مخلص

محمد اقبال ، لاہور ،

(۵)

لاہور - ۱۰ ر مئی ۱۹۱۶ء

مخدوم مکرم جناب قبلہ مولوی صاحب السلام علیکم

معارف مین ابھی آپ کا ریویو مثنوی رموزِ بے خودی پر نظر سے گذرا ہے، جس کے لئے سراپا سپاس ہون آپ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ میرے لئے سرمایۂ افتخار ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے، صحتِ الفاظ و محاورات کے متعلق جو کچھ آپنے لکھا ہے، ضرور صحیح ہوگا، لیکن اگر آپ ان لغزشون کی طرف بھی توجہ فرماتے تو میرے لئے آپ کا ریویو زیادہ مفید ہوتا، اگر آپ نے غلط الفاظ و محاورات نوٹ کر رکھے ہین، تو مہربانی کر کے مجھے اُن سے آگاہ کیجئے کہ دوسرے ایڈیشن مین اُن کی اصلاح ہو جائے۔

غالباً آپنے "رموزِ بیخودی" کے صفحات پر ہی نوٹ کئے ہون گے، اگر ایسا ہو تو وہ کاپی ارسال فرما دیجئے، مین دوسری کاپی اس کے عوض مین آپ کی خدمت مین بھجوا دون گا،

اس تکلیف کو مین ایک احسان تصوّر کرون گا، امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا؛

مخلص محمد اقبال ، لاہور

(۶)

مخدومی مولانا ؛ السلام علیکم

چند اشعار معارف کے لئے ارسالِ خدمت ہین، ان مین سے جو پسند آئے، اسے شائع کیجئے، امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا،

نہ سلیقہ مجھ مین کلیم کا نہ قرینہ تجھ مین خلیل کا
مین ہلاکِ جادوے سامری تو قتیلِ شیوۂ آزری

نہ نوائے سوختہ در گلو، نہ پریدہ رنگ رمیدہ بو
مین حکایتِ غمِ آرزو تو حدیثِ ماتمِ دلبری

مرا عیش غم مرا شہد سم، مری بود ہم نفسِ عدم
ترا دل حرم گروِ عجم، ترا دین خریدۂ کافری

تری راکھ مین ہو اگر شرر، تو خیالِ فقر و غنا نہ کر
کہ جہان مین نانِ شعیر پر ہی مدارِ قوتِ حیدری

کوئی ایسی طرزِ طواف تو مجھے اے چراغِ حرم بتا
کہ ترے پتنگ کو پھر عطا ہو وہی سرشتِ سمندری

گلۂ جفائے وفا نما کہ حرم کو اہلِ حرم سے ہے
کسی بتکدے مین بیان کرون تو کہے صنم بھی ہری ہری

کرم اے شہِ عرب و عجم کہ کھڑے ہین منتظرِ کرم
وہ گدا کہ تو نے عطا کیا ہے جنھین دماغِ سکندری

مخلص محمد اقبال لاہور ۲۳ ر مئی ۱۹۱۶ء

(۷)

لاہور - ۸ ر دسمبر ۱۹۱۶ء

مخدومی السلام علیکم

"رموزِ بیخودی" کی لغزشون سے آگاہ کرنے کا وعدہ آپ نے کیا تھا، اب تو ایک ماہ سے بہت زیادہ عرصہ ہوگیا، امید کہ توجہ فرمائی جائے گی تاکہ مین دوسرے ایڈیشن مین آپ کے ارشادات سے مستفید ہو سکون ،

وسایتر کے حوالون کے متعلق آپ نے لکھا تھا، اس وقت اورینٹیل کالج لاہور کا کتب خانہ بند تھا، اُمید اب بھی بند ہے، اکتوبر مین کھلے گا، اگر کچھ حوالے دستیاب ہو گئے تو عرض کرون گا،

والسلام

مخلص محمد اقبال

روس کے مسلمانون کے متعلق جو مضمون معارف مین شائع ہوا ہے، اسے ایک علحدہ رسالے کی صورت مین شائع کرنا چاہیے،

محمد اقبال

---

(۸)

لاہور.

۳ر اکتوبر ۱۹۱۸ء

مخدوم مکرم جناب مولانا السلام علیکم

آپ کا نوازش نامہ مل گیا ہے جس کے لئے نہایت ممنون ہوں، مجھے اس سے بہت فائدہ پہنچےگا
ین چند روز کے لئے شملہ گیا تھا، وہاں معلوم ہو کہ آپ بھی تشریف رکھتے ہیں، افسوس ہے کہ آپ سے ملاقات
نہ ہو سکی، مجھے ایک ضروری کام درپیش تھا جس میں مصروفیت رہی، البتہ معنوی طور پر آپ کی صحبت رہی، کیونکہ
ات کو سیرتِ نبوی کا مطالعہ رہتا تھا، مولانا مرحوم نے مسلمانوں پر بہت بڑا احسان کیا ہے جس کا صلہ دربار
نبوی سے عطا ہوگا،

قوافی کے متعلق جو کچھ آپ نے تحریر فرمایا بالکل بجا ہے، مگر چونکہ شاعری اس مثنوی[1] سے مقصود نہ
تھی، اس واسطے میں نے بعض باتوں میں عمداً تساہل برتا، اس کے علاوہ مولانا روم کی مثنوی میں قریباً ہر صفحہ پر اس قسم کے قوافی کی مثالیں
ملتی ہیں، اور ظہوری کے ساقی نامہ کے چند شعر بھی زیر نظر تھے، غالباً اور مثنویوں میں بھی ایسی مثالیں ہونگی
اصولِ تشبیہ کے متعلق کاش آپ سے زبانی گفتگو ہو سکتی، قوتِ واہمہ کے عمل کے رو سے بیدل و غنی
کا طرز زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے، گو کتب بلاغت کے خلاف ہے، زمانۂ حال کے مغربی شعرا کا بھی طرزِ عمل
یہی ہے، تاہم آپ کے ارشادات نہایت مفید ہیں، اور میں اُن سے مستفید ہونے کی پوری کوشش کرونگا،
بحر تلخ رو، کلمہ بسکون لام، باریک تر از موج (بمعنی کم در عرض و عمق) کوری ذوق، محفل از ساغر رنگین کردن
نم ما دیدہ، مردم شکست، ساز برق آہنگ، از گل غربت (بمعنی شہر) نوا بالیدن، تیغ آفتاب اندر نفس وغیرہ
کی مثالیں اساتذہ میں موجود ہیں، مگر اس خیال سے کہ آپ کا وقت ضائع ہوگا نظر انداز کرتا ہوں،

---

[1] اسرارِ خودی،

البتہ اگر آپ اجازت دیں تو لکھوں گا، محض یہ معلوم کرنے کے لئے کہ میں نے غلط مثالیں تو انتخاب نہیں کیں،
ایک مردہ یافت طلب جو اس سے آگاہ فرما کر ممنون کیجئے، "قطرۂ از نرگس شہلا ستی" پر جو کچھ آپ نے ارشاد
فرمایا ہے میں نہیں سمجھ سکا، کیا آپ کا یہ مقصود ہے کہ قطرہ کا لفظ شہلا کے لئے (یعنی قطرۂ شہلا) موزون نہیں
یا کچھ اور، علیٰ ہذا القیاس "خیمہ بزد در حقیقت از مجاز" "نعرۂ زد شیرے از دامانِ دشت" "باز بانت کلمۂ توحید خواند"
کے متعلق بھی یہی سوال ہے،

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا، اس طویل خط کے لئے معافی چاہتا ہوں،

مخلص محمد اقبال

(۹)

لاہور - ۲۰ر نومبر ۱۹۱۸ء

مخدومی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

کئی روز ہو گئے ایک عریضہ خدمتِ عالی میں لکھا تھا، جواب سے ہنوز محروم ہوں "خیمہ بزد از حقیقت در
مزاج" کے متعلق آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ اس میں تجاوز کا مفہوم نہیں ہے، کیونکہ خیمہ بر زدن کے معنی قیام کرنے
کے ہیں، میں تلاش میں تھا کہ کوئی سند مل جائے، جیسا کہ میں نے گذشتہ خط میں عرض بھی کیا تھا، آج
کلیاتِ سعدی میں وہ سند مل گئی، جو ارسالِ خدمت ہو،

صوفی از صومعہ گو خیمہ بزن در گلزار   وقت آن نیست کہ در خانہ نشینی بیکار

بوصیری کو چادر عطا ہونا کئی روایات میں آیا ہے، گذشتہ خط میں اس کا حوالہ لکھنا بھول گیا تھا، مولوی
ذو الفقار علی دیوبندی نے شرح قصیدہ بردہ میں منجملہ اور روایات کے یہ روایت بھی لکھی ہے مطلع فرمائیے کہ جو
اشعار میں نے اپنے خطوط میں لکھے ہیں اُن کی نسبت آپ کی کیا رائے ہے، الفاظ، ورنہ، اور خیال کے متعلق بھی
رقم کردن گا، امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا، آپ کا مخلص محمد اقبال

ادبیات

سید الملت کا ماتم

آہ! علامہ سلیمان ندوی

از جناب ثاقب کانپوری

سرنگون علم و عمل کا ہے پھریرا کیون آج — غم زدہ ہم کو نظر آتی ہے دنیا کیون آج

آج ندوے مین بچھی ہے صفِ ماتم کیسی — حشر سے پہلے یہ اک حشر ہے برپا کیون آج

کون روپوش ہوا نیرِ اخلاص و عمل — تاریک تم سے ہین او چاند ہو دھندلا کیون آج

ہل رہی ہے غم و اندوہ سے قبرِ شبلی — زلزلہ ہند کے اطراف مین آیا کیون آج

آج سب اہلِ نظر چاک گریبان کیون ہین — اشک آلود ہے ہر دیدۂ بینا کیون آج

آج سنتے ہین کہ مولانا سلیمان نہ رہے

تھے جو انسانون مین ممتاز وہ انسان نہ رہے

اے سلیمان تری عظمت ہے زمانے پہ عیان — جانتا کون نہین آج تری قدر جلیل

نثر کا تیری تھا انداز معارف پرور — کیا غلط ہے کہ جو شبلی ہو تجھے دین تمثیل

کام جو باقی تھا پورا وہ کیا ہے تو نے — سیرتِ احمد مرسل کی ہوئی ہے تکمیل

تجھ کو بخشے گئے وہ علم و ادب کے جوہر — بن گئے نقشِ قدم تیرے ادیبون کے دلیل

علم تاریخ کا بے شبہہ محقق تو تھا — قدرِ تصنیف کی تعین تری تصانیف کفیل

تھی ضرورت کہ ابھی اور جہان مین رہتا — آہ افسوس کہ رحلت مین ہوئی ہے تعجیل

مرگ بے وقت نے کیا داغ دوگونا چھوڑا

بزمِ تالیف و تصانیف کو سونا چھوڑا

چاہتے تھے تجھے ہم تیری بھی ہستی نہ رہی — موت سے تیری ہو ہر سمت بپا اک کہرام

اللہ اللہ یہ تری موت کا غم ناک اثر — غم کدہ ندوہ ہے تصویرِ الم ہین در و بام

اے کس وقت تجھے موت نے ہم سے چھینا — کام جو تیرے تھے اب دیکھا انھیں کون انجام

کشورِ پاک کو اب بھی تھی ضرورت تیری — سامنے تھے ترے آئین شریعت کے کام

تو دیا کرتا تھا اکثر مرے گھر کو عزت — کیون جدائی سے نہ ہون پھر مرے دل کو آلام

ہستیان ایسی کہان ایسے اب افراد کہان

ثاقب اب قوم مین اس قسم کے افراد کہان

قطعاتِ تاریخ رحلت حضرت علامہ سلیمان ندوی

از

جناب عطاء الرحمن صاحب عطا کاکوی

وہ آہ! حضرت علامہ سلیمان آہ!! — رموزِ دین متین کا وہ رازدان نہ رہا

وہ نورِ علم، وہ غواصِ بحرِ سیرتِ پاک — چراغِ مصطفوی کی وہ تابناک ضیا

وہ عالمِ متبحر، فقیہ نکتہ شناس — ادیب بے بدل و بے نظیر و بے ہمتا

وہ جلوہ گلِ سرسبد گلشن ندوہ — شمیم عطر تقدس نسیم باغِ صفا

تھا جس کی ذات پہ دار المصنفین کو ناز — ہزار حیف وہ سرمایۂ ادب نہ رہا

جنیدِ ہند وہ اشرف علی کا حلقہ بگوش — بہ فیض زہد و ورع جانشین شبلی کا

وہ فخر ملت اسلامیہ ، فرید العصر — خم معارف دین کی مے سے ہر دو افزا

اندھی اندھی سی فضا سونی سونی مجلس ہے — چراغ علم بجھا آہ ! آہ !! آہ !!! اعظا

۱۳۷۳ھ

قطعہ تاریخ انتقال پر ملال علامہ سید سلیمان ندوی بصنعت صوری و معنوی

از جناب سید الزمان صاحب اسعد بجہرا یونی

شد چو علامہ سلیمان ز دہر — شد جہان وقف صدمۂ آلام

صوری و معنوی سنہ ہجری — غم بنفسہ مالش خواص و عوام

زد رقم = از ربیع الاول آہ — بود یکشنبہ - یوم چاردہ شام

۱۳۷۳ھ صوری او ش ۱۳۷۳ معنوی

ایضاً دیگر

علامہ سلیمان چو رفتہ ازین جہان — آمد ندا بگوش من ای غم بگلک غم

تاریخ صوری معنوی از شہر بازدہ — یکشنبہ شام ہست ۲۳ و دو افسوس کن رقم

۱۹۵۳ صوری
۱۹۵۳ معنوی

مطبوعات جدیدہ
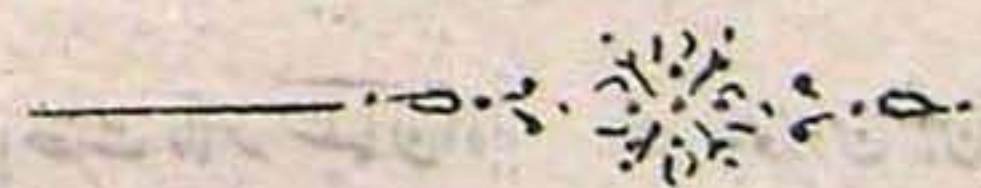
تاریخ القرآن مؤلفہ جناب یعقوب علی صاحب عرفانی الاسدی تقطیع بڑی ضخامت ۱۹۰ صفحے کاغذ کتابت وطباعت بہت معمولی قیمت عہ پتے (۱) عرفانی الاسدی ، اکٹرڈین بلڈنگ سکندرآباد حیدرآباد دکن (۲) قریشی عطاء الرحمٰن دار المسیح قادیان پنجاب (۳) دفتر الحکیم عیدگاہ روڈ کراچی ۱،

مصنف نے قرآن مجید کی خدمت کو مقصد زندگی بنا لیا ہے اور نصف صدی سے یہ کام انجام دے رہے ہیں اور قرآن مجید کے مختلف پہلوؤن پر متعدد کتابیں لکھ چکے ہیں ، مذکورۂ بالا کتاب ان کی نئی تالیف ہے، اس مین قرآن مجید کے نزول ، اور اس کی ترتیب و تدوین کی تاریخ بیان کی گئی ہے ، اس پر مستشرقین کے اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے ، مختلف سورتون کے مضامین کا ایک دوسرے سے ربط دکھایا گیا ہے ، ناسخ و منسوخ کی حقیقت ظاہر کی گئی ہے ، اور قرآن مجید کے ظاہری و معنوی اعجاز پر روشنی ڈالی گئی ہے ، ان مباحث کے علاوہ قرآن مجید کے متعلق اور بہت سے متفرق معلومات ہیں ، اس لحاظ سے یہ کتاب مفید ہے ، لیکن کتاب کی ترتیب اچھی نہیں ہے ، ہر بحث میں شاخ در شاخ بحثین اور غیر متعلق باتین آگئی ہین جن سے پڑھنے مین الجھن ہوتی ہے ، روایتون کے نقل مین احتیاط نہین کی گئی ہے ، ہر قسم کی روایتون پر اعتماد کر لیا گیا ہے ، سورتون کے مضامین کا ربط بھی بعض مقامات پر دلنشین نہین ہے ، مصنف کی بعض رایون مین بھی اختلاف کی گنجایش ہے مگر ان خامیون کے باوجود یہ کتاب قرآن مجید کے متعلق متفرق مفید معلومات کا اچھا مجموعہ اور اس کو بعض حیثیتون سے اردو کی اتقان کہا جا سکتا ہے ،

حقیقت ذکر ، مرتبہ جناب مولانا احتشام الحسن صاحب کاندھلوی تقطیع چھوٹی ضخامت

۲۰۴ صفحات، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت مجلد عا؍ غیر مجلد عا؍ پتہ:۔ کتب خانہ انجمن ترقی اردو بازار جامع مسجد دہلی ۶

اسلام کی اصل روح تعلق مع اللہ اور اس کا وسیلہ ذکر و فکر ہے، اس کی ساری عبادتیں اور دعائیں وغیرہ سب ذکر ہی ہیں، اردو میں ماثورہ دعاؤن کے مجموعے اور بعض اذکار پر تو کتابیں ہیں لیکن کوئی ایسی کتاب نہیں تھی، جو ذکر کی تمام قسموں، اور اس کے طریقوں پر حاوی ہو، حقیقت ذکر اس موضوع پر بہت جامع کتاب ہے، اس کے شروع میں ذکر کی حقیقت، اس کی اہمیت، اور اس کے فضائل و برکات پر اجمالی تبصرہ ہے، اس کے بعد ذکر کی مختلف قسمون، اسماء الٰہی کا ذکر تسبیح و تحمید ماثورہ دعاؤن، توبہ، صلوٰۃ وسلام، تلاوت قرآن، آیاتِ الٰہی و صفاتِ باری پر غور و فکر، مراقبہ، اور اوراد و وظائف وغیرہ کا مفصل تذکرہ ہے اور ان میں سے ہر ذکر کی خصوصیات اس کے فوائد و فضائل و برکات اُن کے کرنے کے طریقوں اور شرائط و قیود وغیرہ ہر پہلو پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے، اس قسم کی کتابیں عام طور پر غیر مستند و غیر مسنون اذکار اور اُن کے غیر اسلامی طرق سے خالی نہیں ہوتین، مگر یہ کتاب ان نقائص سے پاک ہے، اور اس کا کوئی ذکر اور کوئی طریقہ کتاب و سنت کے دائرے سے باہر نہیں ہے، اور اس میں صرف انہی اذکار کا ذکر ہے جو حدیثون سے ثابت ہیں جن لوگون کو اس کا ذوق ہو اُن کے معمولات کے لئے بہت کارآمد ہے،

تحقیقی مطالعے از جناب ڈاکٹر نذیر احمد صاحب، ایم اے پی ایچ ڈی، ڈی لٹ تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۹۰ صفحات، کاغذ کتابت و طباعت عمدہ، قیمت: عہ؍ پتہ، دانش محل امین آباد پارک لکھنؤ،

یہ کتاب فاضل مصنف کے چھ محققانہ مقالات کا مجموعہ ہے، غالب اور ظہوری، کتاب نورس، کتاب نورس کے مخطوطات، گلزار ابراہیم و خوان خلیل اردو شہ پارے پر ایک نظر، معدن الشفائے سکندر شاہی، یہ مقالات، معارف اور بعض دوسرے رسالون میں چھپ چکے ہیں مصنف نے اس کا تعارف خود ان الفاظ

مین کرادیا ہے کہ پہلا مضمون ظہوری کے شعری کمالات کا مظہر ہے، دوسرا مشہور عربی ضرب المثل کلام الملوک ملوک الکلام کا مصداق ہے، تیسرے سے اندازہ ہو سکے گا کہ نورس کے مخطوطات کے جمع کرنے میں کس قدر جستجو ہوئی، اور اُن کے منتشر اوراق درست کرنے میں کتنی کاوش اور دیدہ ریزی کی گئی، چوتھے سے ظاہر ہوگا کہ کس طرح گلزار ابراہیم و خوان خلیل کی دریافت نے سنہ شر ظہوری کی تاریخی حیثیت پوری طرح واضح کر دی ہے، پانچواں گو ایک کتاب کی تنقید پر مشتمل ہے، مگر اس میں تحقیق کے غوامض اور دقائق سے بحث ہے جس سے عہدہ برآ ہونا ہر محقق کا فرض ہے، چھٹے میں ایک تاریخی شخصیت (سکندر لودی کا وزیر میاں بھوہ ابن خواص خان مصنف معدن الشفائے سکندر شاہی) سامنے آتی ہے، مگر یہ مختصر تعارف، ان مقالات کی علمی و تحقیقی حیثیت کو ظاہر کرنے کیلئے کافی نہیں ہے، اور اس کا صحیح اندازہ اُن کے مطالعہ ہی سے ہو سکتا ہے، اور علمی و تحقیقی حیثیت سے یہ مجموعہ اصحاب علم و نظر کے مطالعہ کے لائق ہے۔

ایک اور مشرقی کتب خانہ مرتبہ جناب عبد القوی صاحب دیسنوی، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۱۲۸ صفحات کاغذ، کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد، قیمت تحریر نہیں پتہ مصنف دیسنہ ضلع پٹنہ سے ملے گی،

حضرت الاستاذ مولانا سید سلیمان ندوی کا وطن دیسنہ ضلع پٹنہ مسلمان شرفاء کی قدیم اور مردم خیز بستی ہے، یہان ہر زمانہ میں اصحاب علم و کمال پیدا ہوتے رہے، آج بھی اس گاؤن مین تعلیم کا جتنا چرچا ہے وہ کسی شہر میں بھی مشکل سے ملے گا، اس لئے یہاں ہر دور میں علم و فن کا مذاق رہا، اور آج سے نصف صدی سے اوپر یہاں اردو کا ایک کتب خانہ قائم ہے، جو ہندوستان مین اپنی خصوصیت میں منفرد ہے، اردو کی مطبوعہ، اور غیر مطبوعہ کتابون کی اتنی بڑی تعداد مشکل سے کسی دوسرے کتب خانہ میں مل سکتی ہے، اس کی تقریباً کل مطبوعہ کتابیں اس کتب خانہ میں موجود ہیں، اس لئے شائقین دور دور سے اس کو دیکھنے کے لئے آتے

ہین، اس کی ترقی کا سہرا کتب خانے کے پرانے اور کہن سال ناظم مولوی سید عبد الحکیم صاحب کے سر ہے، جنھون نے اپنی پوری عمر اس کتب خانہ کے لئے وقف کر دی تھی، اس کی گولڈن جبلی کی یادگار رہن، دینہ کے ایک ہونہار نوجوان عبد لقوی صاحب نے اس کتب خانہ اور دیسنہ کی مختصر تاریخ قلمبند کی، اس مین یہان کے ہر دور کے اصحابِ علم و کمال کا بھی تذکرہ ہے، اور آخر مین اردو کے مخطوطات کا کسی قدر تفصیلی، اور عربی و فارسی کے مخطوطات اور اردو کی فورٹ ولیم کالج وغیرہ کی قدیم مطبوعات کا اجمالی ذکر، اور پرانے اخبارات و رسائل کے فائل کی فہرست ہے، کتاب کے شروع مین کتب خانہ کے متعلق ان مشاہیر کی رائین نقل کر دی گئی ہین، جنھون نے اس کتاب خانہ کو دیکھا ہے، اس لئے یہ کتاب اردو زبان اور اس کی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والون کے مطالعہ کے لائق ہے،

سراپاے رسول مؤلفہ جناب مولوی اعجاز الحق صاحب قدوسی تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۱۲ صفحے، کاغذ، کتابت، طباعت بہتر، قیمت ۱۲ر مجلد ؎ :- مکتبہ نشاۃ ثانیہ، حیدرآباد دکن،

یہ کتاب شمائل نبوی پر بچون کے لئے لکھی گئی ہے، اس مین آنحضرت صلعم کا حلیہ مبارک، لباس، ساز و سامان، عادات و خصائل، اخلاق و معاشرت احباب و اعزہ اور دوسرے متعلقین کے حقوق کی ادائگی عبادات کے معمولات خطبۃ الوداع، اور وفات وغیرہ سیرت شمائل نبوی کے اہم رخون کو اختصار کے ساتھ موثر انداز مین دکھایا گیا ہے، واقعات سب مستند ہین، اور بچون کی اخلاقی تربیت کے لئے کتاب ہے،

"م"

مکتبہ دار المصنفین

سلسلۂ تاریخ اسلام

تاریخ اسلام (حصہ اول) عہد رسالت و خلافت راشدہ یعنی آغاز اسلام سے لے کر خلافت راشدہ کے اختتام تک اسلام کی مذہبی، سیاسی، تمدنی اور علمی تاریخ قیمت [illegible]

تاریخ اسلام (حصہ دوم) (بنی امیہ) یعنی اموی سلطنت کی صد سالہ سیاسی تمدنی اور علمی تاریخ کی تفصیل قیمت [illegible]

تاریخ اسلام جلد سوم (خلافتِ عباسیہ) یعنی ابو العباس سفاح ۱۳۲ھ ؁ ۷۵۰ء سے ابو اسحاق متقی اللہ ۳۳۳ھ ؁ ۹۴۴ء تک دو صدیون کی سیاسی تاریخ، قیمت :- [illegible]

تاریخ اسلام جلد چہارم (خلافت عباسیہ جلد دوم) اس مین مستکفی باللہ کے عہد سے آخری خلیفہ مستعصم باللہ تک خلافت عباسیہ کے زوال و خاتمہ کی تاریخ ہے، اور آخر میں ایک مستقل باب مین عباسیون کے تمدنی کارنامون پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے، اس طرح سے یہ جلد پہلے ادیشن سے کہین زیادہ ضخیم اور مکمل ہو گئی ہے،

(از شاہ معین الدین احمد ندوی)

قیمت :- [illegible]

نئی کتابین

تاریخ سندھ: سندھ کی مفصل سیاسی، نظامی، علمی و تمدنی تاریخ، قیمت : [illegible]

اقبال کامل: ڈاکٹر اقبال کے سوانح حیات کے علاوہ فلسفہ اور شاعری کارنامون کے اہم پہلوؤن کی تفصیل [illegible]

بزم تیموریہ: تیموری بادشاہون شاہزادون اور شاہزادیون کے علمی ذوق اور ان کے دربار کے امراء، شعراء و فضلاء کے مختصر تذکرہ کے ساتھ ان کے علمی و ادبی کمالات کی تفصیل قیمت : [illegible]

امام رازی: امام فخر الدین رازی کے سوانح و حالات، ان کی تصنیفات کی تفصیل اور فلسفہ و علم کلام و تفسیر کے اہم مسائل کے متعلق ان کے نظریات و خیالات کی تشریح قیمت : [illegible]

بزم صوفیہ: عہد تیموریہ سے پہلے کے صاحب تصنیفات صوفیہ کرام مثلاً شیخ ہجویری خواجہ معین الدین چشتی خواجہ نظام الدین اولیاء وغیرہ کے مستند حالات اور تعلیمات قیمت [illegible]

تاریخ اندلس جلد اول: اندلس کے عہد بعہد کی مفصل سیاسی تاریخ تیسا تہ اندلس کی علمی و تمدنی تاریخ قیمت [illegible]

اہل کتاب صحابہ و تابعین: یہودی و نصرانی [illegible] صحابہ و تابعین کا تذکرہ قیمت : [illegible]